ہماری تعلیمی کشتی بھنور میں

یا

مسئلۂ تعلیم پر چند خیالات

ہر ایک ملک کے بچّے اُس ملک کی دولت ہیں۔ اور قومی دانائی کی یہی شناخت ہے

کہ قوم کی نگاہ میں اس سرمایہ کی کیا قدر ہے۔ قوم کس طرح اُس کو استعمال کرتی ہے اور

کتنا فائدہ اُس سے اُٹھاتی ہے

از ایڈریس ارل بوشام صاحب پریزیڈنٹ سوم انٹرنیشنل کانگریس

واسطے رفاہ وحفاظت طفلان مقام لندن

از رائے

لاجپت رائے

حسب فرمائش مینیجنگ کمیٹی دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور

دیباچہ

ان چند صفحات میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں اُن کو اپنے
اہل وطن کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ہیں کچھ معذرت
نہیں کرنا چاہتا تعلیم کا مضمون ایسا ضروری اور ایسا مشکل ہے
کہ اس پر بحث کرنا کبھی خالی از فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب
کے دوسرے حصہ میں وہ مضامین ایزاد کئے گئے ہیں جو قبل از سفر
انگلستان میں نے لکھے تھے۔ ان مضامین میں کچھ خیالات ایسے
ہیں جو حصہ اول میں نہیں ملیں گے اور بعض ایسے بھی ہیں جو دونوں
میں مشترک ہیں۔ میں نے اس خیال سے ان میں کوئی تبدیلی
نہیں کی کہ حصہ اول و حصہ دوم کا مقابلہ خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔
اور سارے کا سارا مضمون ایک نہایت ہی اہم سوال پر ہے اس لئے دو دفعہ
بعض خیالات کا مطالعہ گو کسی قدر ناگوار خاطر ہو مگر خالی از فائدہ نہیں۔
میں چاہتا ہوں کہ دیگر صاحب بھی جن کو اس سوال میں لگاؤ ہے
اور جنہوں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس بحث میں حصہ لیں تاکہ
خیالات کی باہمی تبدیلی سے ہم صحیح نتائج پر پہونچ سکیں +

لاجپت رائے

ہم اپنے لڑکوں کو کیا بناویں*

روز پیدایش بچہ کیا ہے؟

انسان ابتداء میں کس طرح پیدا ہُوا اور ایک پیدا ہُوا یا بہت سے۔ آیا وہ پرماتما کی خاص مخلوقات میں سے ہے یا کہ پرماتما کے اُس قانون کا نتیجہ ہے جسکو اسوقت انگریزی زبان میں ایویلیوشن کہا جا سکتا ہے۔ یہہ سوالات ایسے ہیں جن پر بحث کرنا اِسوقت ہمیں مطلوب نہیں۔ انسان ابتداء میں خواہ کسی طرح پیدا ہُوا اور کسی طرح اُس کو اپنے حواس وقواے ملے اسوقت جس طرح انسان کا بچہ بنتا ہے اور جن اسباب کا ہر ایک بچے کے قواے جسمانی و ذہنی و اُسکے مزاج پر اثر ہوتا ہے وہ عموماً مسلمہ ہیں۔ جو لوگ روح کو ابدی مانتے ہیں اور قبل از پیدایش ہر ایک انسان کی روح کی سابقہ زندگی کے قایل ہیں اُن کا مقولہ ہے کہ ہر ایک جیو آتما کو اپنے سابقہ اعمال (کرم یا سنسکار) کے مطابق نئی زندگی ملتی ہے۔ خاص ملک میں خاص مذہب میں اور خاص ماتا پتا کے

---

* (نوٹ) یہ وہ سلسلہ مضامین کا ہے جن میں سے بعض سنہ ۱۹۰۳ میں شایع ہوئے تھے اور بعض اسوقت یا کچھ اُس کے بعد لکھے گئے۔ بہر حال یہہ جملہ مضامین ہمارے سفر انگلستان سے پہلے کے لکھے ہوئے ہیں ہم ان کو بلا کم و کاست شایع کرتے ہیں تاکہ ہمارے اہل وطن مقابلہ سے دیکھ لیں کہ سفر انگلستان سے ہمارے خیالات میں کس قدر تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ (لاجپت رائے)

گھر میں جنم لینا اُسکے اپنے سنسکاروں کا پھل ہے یعنی اپنے سابقہ اعمال کا نتیجہ ہے۔
ہندوؤں کا یہہ عقیدہ ہے کہ ہر ایک جیو آتما کو اپنے کرم انوسار جنم کے لئے ماتا پتا۔
گھرانا اور دیش کال پراپت ہوتے ہیں۔ اہل اسلام و عیسائی صاحبان عام طور پر
روح کی سابقہ زندگی اور اسکے پچھلے کرموں و سنسکاروں کی ہستی کے قائل نہیں
اور کہتے ہیں کہ خداوند کریم اپنی مرضی سے ہر ایک شخص کو کسی ملک میں اور کسی گھرانے
میں جنم دیتا ہے - بہرحال یہہ تو وہ بھی کہتے ہیں کہ انسان اپنی قسمت کے مطابق
امیر یا غریب - عالم یا جاہل - دیندار یا کافر گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں - یہہ امر بھی
صاف ہے کہ ان سنسکاروں یا قسمت کے علاوہ جو ہر ایک فرد بشر کے لئے اُسکے
ماتا پتا - اسکے جنم استھان - اسکے جنم کے مذہب وغیرہ کا تعین کرتے ہیں - اور بھی
بہت سے اسباب ہیں جو اُسکے اعضاء جسمانی اُسکے قوائے دماغی اور اسکے مزاج
کے بنانے میں موثر ہوتے ہیں - ماتا پتا کی جسمانی صحت - ان کی اخلاقی پاکیزگی یا ناپاکیزگی
اُن کی دماغی روشنی یا تاریکی - اُن کی عادات - ان کی رہائش - ان کی خوراک وغیرہ
ایسے اسباب ہیں جن سب کا اثر بچہ پر ہوتا ہے - پس یوں کہنا چاہیئے کہ ہر ایک بچہ اپنی
پیدائش کے وقت اپنے پچھلے سنسکاروں یا اپنی قسمت اور اپنے ماتا پتا کے جسمانی دماغی
اور اخلاقی خصوصیتوں کے مجموعہ سے بنا ہوا ہوتا ہے - اسی واسطے نہ صرف مختلف
لوگوں کی سنتانوں میں اتنا فرق دیکھنے میں آتا ہے بلکہ ایک ہی ماتا پتا کی سنتان میں
بھی بہت سے دماغی - اخلاقی اور جسمانی فرق دکھائی دیتے ہیں حتی کہ کسی صورت میں
بھی ایک لڑکا یا ایک لڑکی بالکل دوسرے لڑکے یا لڑکی کے مشابہ اور اس کے برابر
نہیں ہوتا۔

پیدائش کے بعد پھر دیگر اسباب لاحق حال ہوتے ہیں جو بچہ کے جسم اور اسکے دل و
دماغ پر کام کرنا شروع کرتے ہیں - ماتا کی خوراک - ملک کی آب و ہوا - رہائشی مکان

کی آب وہوا اور اسکے اردگرد کے دیگر حالات سب کے سب اُسی وقت سے اُسکو اپنی
تاثیرات کے حلقہ میں گھیر لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ بچے کے حواس یعنی گیان اندرے اور اُسکے
کرم اندرے یعنی اُس کی مختلف طاقتیں نشوونما پاتے ہیں اور وہ اُس منزل تک پہنچتا
ہے جبکہ آزادی سے چلنے پھرنے۔ آزادی سے کھانے پینے۔ آزادی سے بولنے
اور سُننے کی طاقت حاصل کرکے وہ اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ باضابطہ اسکی تعلیم اور
تربیت شروع ہو۔ یہ تعلیم اور تربیت ایسی چیزیں ہیں جن کے اثر سے بچہ میں کمال درجہ
کی تبدیلیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ یہاں تک کہ سنسکاروں سے حاصل کی گئی خصوصیتیں
بھی تعلیم وتربیت سے بدل جاتی ہیں اور بعض اوقات تعلیم وتربیت پانے کے بعد بچہ
ناقابلِ شناخت ہوجاتا ہے۔ یہی تعلیم وتربیت ہے جس سے اُسکے اگلے سنسکار بنتے
ہیں اور جس سے اُسکی زندگی پلٹا کھاتی ہے۔ نیک یا بد۔ دلیر یا بزدل۔ پارسا یا
بدچلن کہلانے کے لائق ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ۵ برس سے پہلے
بچہ باقاعدہ اور باضابطہ تعلیم کے قابل نہیں ہوتا۔ اس وقت تک اسکو ہر قسم کی آزادی
دیجاتی ہے تاکہ وہ کھیلے اور کھیلتا ہوا نشوونما پاوے۔ اس کھیل کے زمانہ میں عام
طور پر ماتا پتا یا دیگر نگہبان اُسکی آزادی میں صرف اتنی روک ڈالتے ہیں جتنی کہ اس کی
حفاظت کیواسطے ضروری خیال کی جاتی ہے۔ کیونکہ عموماً یہ خیال ہے کہ بچہ عالم طفولیت
میں جاہل کچھ اور اسی لئے معصوم ہوتا ہے۔ اُس سے بازپُرس کرنا یا اُسکو اپنے افعال
کا ذمہ دار ٹھہرانا یا اسکو زیادہ تنبیہ یا تدارک کرنا نامناسب اور بیہودہ تصور کیا جاتا ہے
عموماً بچے کی عالم طفولیت کو زمانہ بادشاہت کہا جاتا ہے اور جس قدر آزادی کہ اُسکو
خطرہ سے بچاتے ہوئے دی جاسکتی ہے وہ دیجاتی ہے۔ آخرکار قریباً بے انتہا
آزادی کے بعد ایک وقت آتا ہے جبکہ بچہ کو تعلیمی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔
یہ تعلیمی زنجیریں مختلف درجہ اور مختلف حیثیت کے لوگوں کے لئے مختلف قسم کی ہیں

اصل تو یہ ہے کہ مختلف انسان اپنے اپنے ذہنی۔ اخلاقی اور سوشیل حیثیت۔ معیار اور رسائی کے مطابق اس تعلیم کے خیال کو مختلف معنوں میں سمجھتے ہیں۔ اسواسطے یہاں پر ہم کو یہہ امتحان کرنا ضروری ہے کہ تعلیم کے اصلی اور سچے معنی کیا ہیں۔ تعلیم کے معنے سمجھنے کے لئے پہلے ہم کو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لفظ تعلیم جس خیال کو یا جس حالت کو ظاہر کرتا ہے اُسکی غرض اور اُسکا اصلی مدعا کیا ہے یا یوں کہو کہ انسانی لغت میں لفظ تعلیم کس خیال کو ظاہر کرتا ہے ؛

تعلیم کا مفہوم کیا ہے؟

لفظ تعلیم بڑا عام لفظ ہے اور جس خیال کو ظاہر کرتا ہے وہ بھی بڑا عالمگیر ہے تاہم اس خیال کی علمی تعریف یا سائنٹفک تعبیر کرنے میں دُنیا کے بڑے بڑے فاضلوں میں اختلاف چلا آیا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس اختلاف کی تاریخ پر یا اس اختلاف پر بحث کی جاوے مگر اس اختلاف کے وجود سے یہ تو صاف عیاں ہے کہ مختلف زمانوں میں دُنیا کے سوچنے سمجھنے والے حصہ میں تعلیم کے اصلی مدعا۔ اُسکی غرض۔ اسکی نوعیت اور اُسکے کام کی نسبت مختلف رائیں رہی ہیں۔ یہانتک کہ کوئی تعلیم محض اُس حصۂ زندگی پر محدود کرتا رہا جو انسان کے بچے تعلیمی درسگاہوں میں گذارتے ہیں جس سے کہ تعلیم کے حلقہ میں عملی طور پر محض لکھنا پڑھنا اور لکھنے پڑھنے کے ذریعہ سے جو چیز جانی جاسکتی ہے یا یوں کہو کتابی علم تعلیم میں شامل سمجھا جاتا تھا۔ ایسے اصحاب کی نگاہوں میں کتابی تعلیم سے باہر کوئی تعلیم نہیں تھی۔ ایسی تعلیم کی غرض اور اسکے نتائج کے متعلق بھی اختلاف رائے رہا۔ بعض اصحاب تعلیم کا مقصود محض دنیوی خوشحالی کے سامان حاصل کرنے کی قابلیت سمجھتے رہے۔ بعض محض دینی اور بعض دونوں۔ حتیٰ کہ زمانہ حال کی نئی روشنی میں اب یہ خیال زور پکڑنے لگا کہ خیال تعلیم میں وہ سب کچھ شامل ہے جو انسان خود نیچر سے بذریعہ مشاہدہ اور تجربہ حاصل کرتا ہے اور نیز وہ بھی جو دوسرے انسانوں سے بذریعہ تقلید یا بذریعہ نقل پائیگا

کسی اور طرح پر حاصل کیا جاتا ہے اور جس سے اُسکی زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ
یوروپ اور امریکہ میں اب تعلیم سے (جس کیواسطے انگریزی کا لفظ ایجوکیشن ہے)
عام طور پر مفہوم اُس تعلیم سے ہے جو لڑکے یا لڑکی کو زندگی کی لڑائی لڑنے کے
قابل بنا دے اور اُسکو مکمل زندگی کے قابل بنا دے اس مفہوم سے یہ مراد نہیں
ہے کہ تعلیم کا محض یہی کام ہو کہ وہ لڑکے یا لڑکی کو اپنی روزی کمانے کے قابل بنا دے
بلکہ اس میں وہ سب اغراض شامل ہیں جو ایک مکمل تعلیم سے حاصل ہونی چاہئیں
اور جس سے کوئی لڑکا یا لڑکی زندگی کے جملہ پہلوؤں میں کامیابی حاصل کرسکتا ہو۔
جو لڑکے اور لڑکیاں بلا مدد دوسروں کے اپنی روزی کمانے کی قابلیت نہیں
رکھتے اُن کی تعلیم مکمل نہیں کہی جاسکتی۔ روزی کمانے کی قابلیت مکمل زندگی کا
ایک ضروری پہلو ہے جس کو تعلیم کے احاطہ سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم
زندگی کی کشمکش میں کامیابی حاصل کرنیوالی تعلیم سے لازماً وہ تعلیم مراد نہیں ہے)
جو انسان کو آتما کے گیان سے بے بہرہ رکھتی ہے جو اُسکو وہ تعلقات نہیں بتاتی جو
آتما کے پرماتما کے ساتھ ہیں اور جو اُسکو اُس شاہراہ پر نہیں ڈالتی جس سے آتما اپنے
اعلےٰ سے اعلےٰ معراج کو انوبھو کر کے اپنے لکش کو پا سکے۔ مکمل زندگی کی تیاری میں
یا یوں کہو کہ مکمل زندگی کے حصول کی غرض سے جو تیاری کی جاتی ہے اُس میں
وہ جملہ سادھن شامل ہیں جو انسان کو پوری طرح سے اپنی انسانیت کے جملہ پہلوؤں
کے انکشاف اور پرکاش کے قابل بناتے ہیں اور جو اُسکو اس لائق کرتے ہیں کہ
وہ اس عجیب و غریب دُنیا میں پیدا ہو کر اُسکی خوبصورتی کو محسوس کرسکے اور اپنی

(نوٹ) ہمارے سابقہ مضامین کے سلسلہ میں سے ایک یا نصف صفحہ کہیں گم ہوگیا۔ اسلئے ہم نے اگلے اور پچھلے
مضمون کو دیکھکر جو فقرات اب ایزاد کئے ہیں۔ جو مضمون کو مسلسل بنا دیتے ہیں۔ یہ فقرات خطوط وحدانی میں ہیں

زندگی کو ایسا عمدہ بنادے جس سے اُسکی زندگی اس عالمگیر خوبصورتی کے بستار کا
ایک مناسب اور باانداز جزُ بن سکے۔ نہ کہ اپنی بدنمائی۔ بدشکلی اور بدرنگی سے
وہ اس اوچھٹ خیال اور یقین سے باہر دل کو بےخود کردینے والی خوبصورتی پر دھبہ
لگانیوالی ہو۔ سچ تو یہہ ہے کہ اہل یوروپ اور اہل امریکہ نے تعلیم کے منظر کو ایسا
بلند۔ ایسا وسیع۔ ایسا عالمگیر اور ایسا محیط کُل بنادینے میں انسان کی زندگی کے
تمام پہلوؤں کو بلند اور خوبصورت کردیا ہے اور تعلیم و تربیت کے مقدس کام کو زمانہ تاریکی کی
گندی گلیوں اور غلیظ میلی کچیلی جگہوں کی ناپاک اور ننگ و تاریک آب و ہوا سے
نکالکر ایک آسمان جیسے بلند۔ پوتر۔ روشن اور پاکیزہ سنگھاسن پر بٹھادیا ہے۔
جس کے لئے نہایت فراخ اور وسیع احاطوں کی نہایت عالیشان۔ خوبصورت
ہوادار۔ روشنی سے بھرپور اور آسمان سے باتیں کرنیوالی عمارتوں کی ضرورت ہے۔ کہاں
کہاں وہ تعلیم جس کے دینے والے انسان ایسے سمجھے جاتے تھے جو ساری سوسائٹی میں سے
بھدے۔ بدشکل۔ آلسی۔ سست الوجود۔ کم ہمت۔ پست خیال ہوں اور جو دُنیا میں
دیگر طرح سے کامیابی حاصل کرنے کے ناقابل ہوں۔ اور کہاں وہ تعلیم جس کیلئے
دُنیا کے قابل سے قابل۔ برگزیدہ سے برگزیدہ۔ دانائی اور دانشمندی میں بےمثال
صورت و سیرت میں بےنظیر۔ اخلاق اور دلیری میں یکتائے زمان انسانوں کی
ضرورت ہے ؛

چند سال ہوئے جب تک ہمارا خیالِ تعلیم محدود اور تنگ تھا۔ ہم یہہ سمجھا کرتے
تھے کہ محکمہ تعلیم بھی ان محکموں کے ہے جن کو سرکار دولتمدار نے محض از راہ کرم فرمایا یہہ
قائم کیا ہے اور جن کو وہ اسواسطے چلاتے ہیں کہ اُن کی رعایا میں سے بعض آدمی
تعلیم پاکر اچھی نوکریوں کے یا دیگر طرح پر اچھی طرح سے روزی کمانے کے قابل ہوجاویں
پیچھے یہہ خیال ہوا کہ اس ملک کے قیام اور اس کے جلدی رکھنے کی

علت غائی یہ ہے کہ سرکار کو اپنے کاموں کے لئے پڑھے لکھے آدمیوں کی ضرورت ہے اور اسواسطے اس ضرورت کے پورا کرنے کے لئے اُنھوں نے اس محکمہ کو جاری کر رکھا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ ہندوستان کے سررشتہ تعلیم کی کارروائی کی تہ میں اب بھی اس سے زیادہ اونچی اور پاکیزہ علت غائی ہے۔ لیکن جب ہم یوروپ اور امریکہ کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک نیا سورج چڑھا ہوا ہے جس کی آب و تاب اور چمک دمک کے سامنے اُنیسویں صدی بھی مات اور پھیکی پڑتی جاتی ہے۔ یہ سورج وہ تعلیمی سورج ہے جس کی کرنیں اپنی عالمگیر روشنی سے عالمگیر نتائج کے پیدا کرنیکا دعوےٰ رکھتی ہیں۔ میں آگے چل کر بتلاؤنگا کہ یہ نیا سورج دُنیا کے لئے کیا کر رہا ہے مگر یہاں پہ میں ناظرین کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ لفظ تعلیم کا مفہوم اب وہ پڑھائی نہیں ہے جو ہمارے اور آپ کے سُکڑے ہوئے دماغوں میں اب تک تعلیم کے نام سے گھُسی ہوئی تھی۔ لکھنا اور پڑھنا محض دو ذریعے ہیں جن سے ایک انسان دوسرے کے خیالات کو معلوم کر سکتا ہے یا دوسرے تک اپنے خیالات پہنچا سکتا ہے۔ یہ دونوں باتیں بیشک بہت ضروری ہیں اور ان کے بغیر کسی آدمی کی تعلیم مکمل تو کیا ادھوری بھی نہیں ہو سکتی لیکن اب وہ وقت نہیں رہا کہ محض لکھنے اور پڑھنے کو ہی تعلیم کہا جاتے۔ لکھنا اور پڑھنا تو محض تعلیم دینے یا تعلیم پانے کا ایک ذریعہ ہیں۔ نہ بذات خود تعلیم ہیں اور نہ بذات خود تعلیم کا معراج ہیں۔

اگر دنیا کو ایک باغ سے تشبیہ دیجاوے تو تعلیم اُس چیز کا نام ہے جو انسان کو اس عجیب و غریب باغ میں اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنی شاریرک۔ دماغی اور روحانی قابلیتوں کے بموجب اس باغ میں خوش رہ سکے۔ تندرست رہ سکے اور حتی الامکان باغ کے مالی کو اس سنسار میں خوبصورتی اور خوشحالی

تعلیم اُس سادھن کا نام ہے جو اُسکو اس قابل بناوے کہ وہ اُسکی ہر ایک شاخ و بُن۔
اُسکے ہر ایک پھل و پھول۔ اُسکے ہر ایک شاخ و پتے۔ اُسکی سرسبزی و شادابی۔ اُسکی
بہار و خزاں۔ اُسکی پھلواڑی و جنگل غرض کُل باغ کو اپنے استعمال میں لا سکے۔
سب کی خوبصورتی کو انوبھو کر سکے۔ مالی نے جس اندازے سے ہر ایک کو لگایا ہے۔
جو جگہ ہر ایک کو دی ہے۔ جو کام ہر ایک کے سپرد کیا ہے۔ اسکو اچھی طرح سے سمجھ
سکے۔ اور ان باتوں کو سمجھتا ہوا۔ اُن کو اپنے کام میں لاتا ہوا۔ اُن کی خوبصورتی اور
خوشبو سے اپنے دل و دماغ کو معطر کرتا ہوا مالی کی اس ادبھُت لیلا کی نہ صرف
داد دے سکے۔ بلکہ اُسکی خوبصورتی کے رس کو بیان کرتا ہوا اُسی کے پریم اور بھگتی میں
مگن ہو اور جہاں تک ممکن ہو اُسکی نزدیکی اور اسکی خوشنودی حاصل کرنیکا خواہاں
ہو۔ تعلیم وہ چیز ہے جس سے اُسکے جسم کو مضبوطی۔ تنومندی اور تندرستی حاصل ہو۔
کہ وہ اس باغ سے پورا فایدہ اُٹھا سکے جس سے اُسکے دل و دماغ میں وہ کشادگی۔
وہ تازگی۔ وہ بلندی اور وہ رسائی ہو کہ وہ اُسکے باریک سے باریک بھیدوں کو سمجھ کر آپ
حظ اُٹھا سکے اور دوسروں کے حظ بڑھانے کا کارن ہو۔ اُسکی آتما میں ایسی عالی حوصلگی
ایسی بلند نظری۔ ایسی پاکیزگی اور اس درجہ کی صفائی ہو کہ وہ آہستہ آہستہ مالی کی
دوستی اور اُسکی ہم نشینی کے قابل ہو جاوے۔

اگر اس دنیا کو جائے سنگرام اور لڑائی کا میدان کہا جاوے تو تعلیم وہ چیز ہے
جس سے کہ انسان اس سنگرام میں کامیابی سے اُن تمام مخالف اسباب و طاقتوں کا
مقابلہ کر سکے جو اُسکی ہستی اور اسکی ترقی کے سد راہ ہیں اور اُسکو آگے بڑھنے نہیں
دیتے۔ نہیں نہیں تعلیم وہ چیز ہے جو انسان کو اس دُنیا کے سنگرام میں نہ صرف اپنی
حفاظت اور اپنی ترقی کے قابل بناوے بلکہ جو دُنیا میں اُسکو ایسا مضبوط۔ ایسا
قابل اور اس دل و گردہ کا آدمی بنا دیوے جس سے وہ اُن تمام اسباب و طاقتوں کا

مقابلہ کر سکے جو اُن لوگوں کی ترقی کے سدِّ راہ ہیں جن سے اسکا تعلق ہے اور جن کے بغیر اُسکو محض اپنی ذاتی ترقی منظور نہیں - جن کی ترقی کے بغیر نہ اسکو ترقی کا قدر ہے۔ اور نہ اُسکی ترقی کا اعتبار ہے - جن کی ترقی کے بغیر نہ اُسکی ترقی مستقل ہے اور نہ اسکی ترقی اس قابل ہے کہ وہ اُس سے بھی اگلی سیڑھیوں پہ قدم رکھنے کے قابل ہو۔ تعلیم اُس تیاری کا نام ہے جس سے انسان اور انسانوں کے گروہ اس قدر طاقتور بن جاتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص یا اشخاص کے گروہ نہ اُن کو نقصان پہنچا سکیں۔ نہ اُن کی ترقی کے راستہ میں سدِّ راہ ہو سکیں۔ بلکہ جس سے وہ دوسرے انسانوں کو بھی ایسی مدد دے سکیں جس سے ہر ایک انسان اور انسانوں کی جماعت بلا روک و ٹوک ظلم و تعدی دوسروں کے اپنی اپنی ہستی کا مشن بجا لاویں اور دنیا میں سکھ - امن - باہمی محبت اور روحانیت کا راج ہو - المختصر دُنیا کو جائے سنگرام مان کر تعلیم اُس طلسم کا نام ہے جس کے حاصل کرنے سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ نہ صرف دوسروں سے اپنے آپ کو ایسا محفوظ کر سکے کہ بلا روک ٹوک ہر قسم کی شاریرک اور آتمک اُنتی کر سکے بلکہ اس قابل بھی ہو کہ اگر کوئی شخص یا اشخاص کبھی اُسکی یا اُسکی سماج کی یا عام انسانوں کی ترقی کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے پہ مائل ہوں تو اُن کو بھی ایسا کرنے سے باز رکھ سکے ٭

تعلیم اُس طاقت کا نام ہے جو اُن تمام مخالف اسباب اور طاقتوں کو جیسے اشٹ اور چکنا چور کر دیتی ہے جو اُسکے مقابلہ میں استعمال میں لائی جاویں اور جو انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ پرماتما کے ساجیہ میں پرماتما کی جہان حکومت اور اسکی جہان گیری کو پھیلاتا ہوا اپنی زندگی کو معراج پر پہنچا سکے -

سچ تو یہ ہے کہ بیسویں صدی عیسوی نے تعلیم کی دیوی کو دوبارہ اُسی اوچ سنگھاسن پر جا بٹھایا جہاں سے کہ وہ درمیانی زمانہ کی تاریکی و اندھیرے میں اُتار دی گئی تھی - تعلیم اسوقت دُنیا کے اعلےٰ سے اعلےٰ اور اونچ سے اونچ سنگھاسن پہ قایم ہے اور

جن لوگوں کو پرماتما نے چشم بینا اور دل دانا عطا کئے ہیں وہ تعلیم کو اس سنگھاسن پر بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں۔ بیسویں صدی کی تمام خوفناک۔ جبار و قہار طاقتوں میں تعلیم کام کر رہی ہے۔ بیسویں صدی کی تمام عیش و عشرت و خوشی کے سامانوں میں تعلیم اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ بیسویں صدی کی دولت و حشمت و جاہ و جلال میں تعلیم کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بیسویں صدی کے علم و فضل۔ اخلاق و آتمک بل میں بھی تعلیم اپنا جلوہ دکھا رہی ہے ؞

دُنیا کی اعلےٰ سے اعلےٰ دُنیاوی طاقتیں نہ صرف اپنی اپنی قومی اور ملکی حفاظت کے لئے تعلیم کے سامنے سرنگوں ہیں بلکہ وہ اور زیادہ طاقت۔ دولت حشمت۔ جاہ اور برتری حاصل کرنے کے لئے بھی تعلیم ہی کے دیوتا کی ارادھنا میں مصروف ہیں اور ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھکر زیادہ سے زیادہ چڑھاوا چڑھانے کی خواہش میں مصروف ہے۔ اسوقت بر سر عام یہہ کہا جارہا ہے کہ نہ جنگی بیڑوں میں اور نہ انسانی تلواروں میں نہ تعداد افواج میں اور نہ سامان حرب میں وہ طاقت ہے جو کہ ودیا اور سائنس میں ہے اور جو انسانوں میں اس ودیا اور سائنس کے پھیلانے کے ذریعہ اوسط مقدار میں ہے۔ اسوقت طشت از بام یہ منادی ہو رہی ہے۔ کہ دُنیا کے سنگرام میں قوموں کی گھوڑ دوڑ میں۔ دنیاوی برتری و دولت کے لئے۔ باہمی قوموں کی کشمکش میں۔ علم و فضیلت کے سمندر میں سے تیر جانے کی قابلیت میں گوئے سبقت اس قوم کے ہاتھ رہیگی جو اپنی تعلیم کی طرف کافی توجہ دیگی اور جو اپنی تعلیم پر نہ صرف زیادہ سے زیادہ خرچ کریگی بلکہ اعلےٰ سے اعلیٰ طریقے اُسکی بہتری کے استعمال میں لا دیگی ؞

ہمارے ناظرین جانتے ہیں کہ دُنیا میں اسوقت تین زبردست قومیں ہیں جنکا ایک دوسرے سے مقابلہ ہے یعنی انگلینڈ۔ جرمنی اور صوبجات متحدہ امریکہ۔ تینوں میں ودیا کا سورج غیر معمولی آب و تاب سے چمکتا ہے۔ تینوں ہر وقت اس فکر میں ہیں کہ کسطرح اپنی تعلیم

برستش

کو ایسا بناویں جس سے اُن کی قوم نہ صرف دوسروں سے پیچھے نہ رہ جاوے بلکہ جس سے اُن کو دوسروں سے آگے بڑھنے کے موقعے ہاتھ آویں - ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ انگلنڈ میں برٹش ایسوسی ایشن فور دی پروسی کیوشن آف سائینس کے سالانہ جلسہ میں سر نورمن لوکییر صاحب کے - سی - بی - ایل ایل ڈی - ایف - آر - ایس نے جو اس جلسہ کے چیئرمین تھے - اپنی تقریر میں بیان کیا - کہ قوموں کی گھوڑ دوڑ میں بازی لے جانیکا سوال اس امر پر انحصار رکھتا ہے کہ کون سی قوم دماغی طاقت میں سب سے آگے - سب سے بہتر اور سب سے زبردست ہے - اُنہوں نے فرمایا کہ یہ اصول قومی طاقت کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے - کیا بری و بحری - کیا تجارتی و مالی بلکہ حکمرانی و ملکرانی بھی تمام قابلیت کا مدار بھی اسی پہ ہے - جنگ جنوبی افریقہ کے متعلق جو رایل کمیشن بیٹھا تھا اُسکی تحقیقات کے نتائج پر توجہ دلاتے ہوئے اُنہوں نے بتلایا کہ آخرکار سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے افسران اور ملازمان منتظم اور مدبرین - جنرل اور سپاہی سب میں اُس دماغی طاقت اور گرفت کی کمی ہے جو زمانہ حال میں کامیابی کے لئے ضروری ہے اور جو بغیر اعلےٰ درجہ کی سائنٹفک لیاقت کے حاصل نہیں ہوسکتی ہے - علی ہذا تجارت اور کاریگری کے متعلق بھی کیمیکل انڈسٹریل سوسایٹی کے پریزیڈنٹ اور دیگر ایسے ہی اعلےٰ درجہ کے ماہران کی یہی رائے ہے - سر نارمن لاکییر صاحب نے صاف الفاظ میں یہ بتایا کہ ہماری پسماندگی یا تنزل یا ترقی کی رفتار میں کمی کا کارن یہ ہے کہ ہم قوم کے دماغ پر دہ توجہ نہیں دیتے اور نہ اُسپر وہ خرچ کرتے ہیں جو کہ جرمنی اور امریکہ میں ہو رہا ہے - چنانچہ امریکہ اور جرمن کے ساتھ اس بارہ میں انگلنڈ کا مقابلہ کرتے ہوئے اُنہوں نے بتلایا کہ جہاں انگلنڈ میں صرف ۱۳ یونیورسٹیاں ہیں - جرمنی میں ۲۲ اور امریکہ میں ۱۳۴ - جرمنی کی گورنمنٹ ایک یونیورسٹی کو اس قدر مالی امداد دیتی ہے - جس قدر کہ سرکار برطانیہ کلاں - انگلنڈ - آئرلنڈ - سکاٹ لنڈ - ویلز کی تمام یونیورسٹیوں

اور یونیورسٹی کالجوں کو ۔ اور پرائیویٹ فیاضی سے جو کچھ جرمنی اور امریکہ میں ہوتا ہے وہ علاوہ بریں ۔

چنانچہ اُنھوں نے کہا کہ جن اصولوں پر بحری بیڑے کی دوستی پر روپیہ خرچ کرنے کی تجویز ہے اُسی اصول کو تعلیم پر اطلاق دیکر یہ ضروری ہے کہ ہم محض یونیورسٹی تعلیم کے انتظام میں جرمنی کے ساتھ برابر ہونے کے واسطے بلحاظ آبادی کے ۸۰ لاکھ پونڈ یعنی ۱۲ کروڑ روپیہ تو فوراً عمارتوں پر خرچ کریں اور ۴ لاکھ پونڈ سالانہ یعنی ۶۰ لاکھ روپیہ سالانہ کا مزید خرچ منظور کریں ۔ ۶۰ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کے لیے اُن کی رائے میں ۱۸ کروڑ روپیہ کے سرمایہ کی ضرورت ہے گویا صرف یونیورسٹی تعلیم کو جرمنی کے برابر کرنے کے لیے انگلینڈ کو اسوقت فی الفور ۳۰ کروڑ روپیہ مزید خرچ کرنے کی ضرورت بتائی جاتی ہے ۔

لنڈن کی تعلیمی حالت

۱۰ اکتوبر کے رسالہ اُنیسویں صدی میں ایک صاحب لنڈن کی تعلیمی حالت پر ایک مضمون کے دوران میں تحریر کرتے ہیں کہ پچھلے ۳۳ سال کے عرصہ میں لنڈن کے سکول بورڈ کی کوششوں سے محض شہر لنڈن میں ۵۰۰ نئی عمارتیں صرف ابتدائی سکولوں کیلئے بنائی گئی ہیں ۔ جن پر کُل لاگت ۱۵ کروڑ اور ۴۰ لاکھ روپیہ آچکی ہے ۔ جس حساب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لنڈن کے ہر ایک پرائمری سکول کی عمارت پر اوسطاً ۳۱ ہزار روپیہ خرچ لگا ہے ۔ شہر لنڈن کے رقبہ میں ہر مربع میل پر چار سکول اس قسم کے موجود ہیں جن میں سے ہر ایک میں اعلیٰ درجہ کے مکمل سامان تعلیم اور کتب مہیا کیے گئے ہیں ۔ ہر ایک کے ساتھ کھیلنے کے سامان کافی و وافی و کھیلنے کے میدان وسیع اور فراخ موجود ہیں ۔ اور سب سکولوں میں اعلیٰ درجہ کے تعلیم و تربیت یافتہ ٹرینڈ اُستاد تعلیم دیتے ہیں ۔

ہے کہ شہر لنڈن کی کُل آبادی ۵۰ لاکھ کے قریب ہے۔ اس سے ناظرین
اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس آبادی میں پرائمری سکولوں کے طالب علموں کی تعداد
کیا ہے جس مضمون کا میں نے ابھی حوالہ دیا ہے اس میں اس تعداد کو ۸ لاکھ
بیان کیا گیا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ شہر لنڈن کا ہر ایک بچہ خواہ لڑکا ہو لڑکی
پرائمری سکول میں تعلیم پاتا ہے اور اُن سکولوں میں تعلیم پاکر زندگی کے
سنگرام کے لئے طیار ہوتا ہے۔ پس کیا تعجب ہے کہ ہر ایک انگریز جو دنیا میں
آتا ہے افسری۔ برتری اور حکومت کے لئے ہی پیدا ہوتا ہے۔ ان سکولوں
کی اوسط حاضری قریباً ۸۴ فیصدی ہے اور صاحب مضمون نگار جن کے مضمون
سے میں یہ واقعات اخذ کرتا ہوں اس اوسط پر افسوس ظاہر کرکے تعلیمی افسران کو
اس امر پر توجہ دلاتے ہیں کہ اس حساب سے لنڈن کے قریباً ایک لاکھ ۲۰ ہزار
بچوں کی مدارس سے غیر حاضری نہایت خطرناک اور افسوسناک نتائج کے
پیدا کرنیوالی ہوگی۔

لنڈن میں کل پرائمری سکولوں کی تعداد ۱۰۰۰ ہے جنمیں سے قریباً ۱۰۰
کے رومن کیتھلک پادریوں کے ہیں اور ۳۳۱ چرچ آف انگلنڈ کے اور کچھ دیگر
خاص جماعتوں کے ہیں اور قریباً ۵۰۰ بورڈ سکول ہیں۔

بورڈ سکولوں کے علاوہ جو دیگر سکول ہیں ان کو والنٹری سکول کہا جاتا ہے اور
اُن میں کُل بچوں کے قریباً ½ تعلیم پاتے ہیں گویا ۵۰۰ بورڈ سکولوں میں ½
اور ۵۰۰ پرائیویٹ یا والنٹری سکولوں میں ½۔ مسٹر ویب کی رائے میں ان
پرائیویٹ سکولوں کی عمارتیں۔ ان کی تعلیم۔ ان کے سامان وغیرہ بمقابلہ بورڈ سکولوں
کے بہت ناقص ہیں اور اسواسطے وہ قوم کو ان سکولوں کے نقائص پر توجہ دلاتے
ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سکولوں میں جو بچے تعلیم پاتے ہیں اُن کی مقابلتاً ناقص

تعلیم کے ذمہ وار کون ہیں۔ اور قوم سے اپیل کرتے ہیں کہ ان تمام سکولوں کو ہر ایک پہلو سے اس قابل بنایا جاوے کہ لنڈن کے کل پرائمری سکولوں میں مکمل اور عمدہ تعلیم ہو سکے۔ ان کی رائے میں لنڈن کے تمام سکولوں کو عمدہ یا مساوی حالت میں لانے کے لئے ٹرینڈ استادوں کی اس قدر ضرورت ہے کہ لنڈن کو اپنی رفع حاجات کے لئے ہر سال ۵۰۰ مزید ٹرینڈ استاد طیار کرنے کے واسطے اپنے لئے نئے ٹریننگ کالج قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ ان ٹرینڈ استادوں کے لنڈن کے پرائمری سکولوں میں ایک کثیر تعداد وظیفہ خوار Pupil teachers (جیسے ہمارے ہاں مانیٹر ہوتے ہیں) بھی کام کرتے ہیں۔ اور مسٹر ویب کی رائے میں لنڈن کو اپنی تعلیمی سکیم کو مکمل کرنے کے لئے ہر سال دو ہزار اس قسم کے Pupil teachers کی ضرورت ہے۔

یہ تو پرائمری سکولوں کی حالت ہے اب آگے چلیئے۔ غربا۔ حرفت پیشہ لوگوں کے بچوں میں سیکنڈری تعلیم اور حرفت کاری کی تعلیم کو پھیلانے کے لئے یعنی Secondary اور Technical education کے لئے ہر سال صرف شہر لنڈن میں سکول بورڈ کی طرف سے ۸۰۰ وظائف ایسے لڑکے یا لڑکیوں کو دیئے جاتے ہیں جن کی عمر ۱۳ اور ۱۵ کے درمیان ہو۔ یہ وظائف مقابلہ سے دیئے جاتے ہیں اور ۲ سال سے ۵ سال تک کی تعلیم کیوا سطے۔ ان کے علاوہ قریباً ۲۰۰ وظائف پرائیویٹ ذریعوں سے انہیں اغراض کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ مسٹر ویب کی تحریر کے مطابق حال میں ہی ان وظائف کی تعداد ۲۰۰۰ کم دیکھی ہے۔ محض لنڈن میں چند بڑے بڑے اعلیٰ درجہ کے پرائیویٹ سکول چھوڑ کر صرف ۹۰ سیکنڈری سکول ہیں جن کا خرچ پبلک فنڈ سے ادا کیا جاتا ہے اور جن میں پچیس ہزار لڑکے و لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔

سکنڈری سکولوں کے طلباء کی اس تعداد میں وہ طالب علم شامل نہیں جو امیر ہیں اور جن کیواسطے خاص سکول ہیں ۵۰ اس گنتی سے باہر ہیں۔ فیس کے متعلق بھی یہہ معلوم رہے کہ ان سکولوں میں سے صرف ⅓ ایسے ہیں جن کی کُل فیس ہیڈ ماسٹر کی تنخواہ کے لئے بھی کافی نہیں۔ اس قسم کے سکولوں کی امداد کے لئے مسٹر ویب اپیل کرتے ہیں کہ ان میں جو کمی اور نقص ہیں خواہ اُن کی عمارت میں۔ خواہ اُن کے سامان تعلیم میں اور خواہ اُنکے اسٹاف میں وہ سب فوراً پوری ہوجانی چاہیئے۔ ان سکنڈری سکولوں میں عموماً طالب علم ۱۶ یا ۱۷ برس کی عمر تک تعلیم پاتے ہیں۔ مگر اُن لڑکوں کے لئے جو ۱۲ برس سے پہلے اپنی تعلیم بند کردیتے ہیں اپنی تعلیم کو جاری رکھنے اور پوری لیاقت ہر قسم کے علوم وفنون میں حاصل کرنے کے لئے شہر لنڈن میں نائٹ سکولوں کا انتظام ہے۔ شہر لنڈن میں ان نائٹ سکولوں کی تعداد جو زیر انتظام بورڈ سکول کے ہیں ۴۰۰ اور اُنکے طالبعلموں کی تعداد ایک لاکھ ۲۰ ہزار ہے۔ اسکے علاوہ قریباً ۵۰ ہزار طلباء ان نائٹ سکولوں میں تعلیم پاتے ہیں جن کا انتظام و اہتمام ٹکنیکل ایجوکیشن بورڈ کے ماتحت ہے۔ جنہوں نے بہت سے خاص آرٹ سکول۔ ٹکنیکل انسٹیٹیوٹ اور پولی ٹیکنکس اس غرض کے لئے کھول رکھے ہیں تاہم یہہ نتائج مسٹر ویب کو تسلی بخش نہیں نظر آتے اُن کی رائے میں لنڈن میں ۲۱ برس سے کم عمر کا ایک بھی ایسا نوجوان خواہ لڑکا ہو یا لڑکی نہیں رہنا چاہیئے جو کسی نہ کسی مدرسہ یا سکول یا کالج میں تعلیم نہ پاتا ہو۔

اب یونیورسٹی تعلیم کا بھی حال سُنئے۔ لنڈن یونیورسٹی کے ساتھ ۵۰ کالج ہیں جن میں ۶۰۰ پروفیسر تعلیم دیتے ہیں۔ ...۳ طالب علم تو ایسے ہیں جنہوں نے امتحان داخلہ پاس کیا ہُوا ہے اور اُس سے بھی زیادہ ۱۵ ایسے ہیں جنہوں نے امتحان داخلہ تو پاس نہیں کیا مگر یونیورسٹی کی مختلف شاخوں میں طب۔ سائنس۔ ٹیکنولوجی

اور اکنونکس وغیرہ کی تعلیم پاتے ہیں۔

صاحبان! جس ملک کے ایک شہر میں تعلیم کا اسقدر انتظام ہے اور جہاں ساری کی ساری قوم ہر ایک بچہ کی تعلیم کی ذمہ دار ہے وہ ملک کیوں نہ اسوقت دُنیا میں سربرآوردہ ہو اور کیوں اُسکی سنتان کے ہاتھ میں ایک کثیر حصۂ خلق خدا کی حکومت نہ ہو۔

یہہ وہ ملک ہے جہاں بقول صاحب مضمون نگار متذکرہ بالا کے ملک کا ہر ایک بشر خواہ اُس کا تعلق کسی پولیٹکل پارٹی سے ہو اور اُسکا مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو اس صداقت کو بطور علوم متعارفہ کے مانتا ہے کہ قوم کی قومی قابلیت اور مضبوطی کا مدار اپنی کُل آبادی کی تعلیمی حالت پر ہے۔ قوم کا فرض ہے کہ اُسکی آبادی کے ہر ایک حصہ کو پورا موقعہ ترقی کا دیوے اور اُن کے دماغ سے پورا فایدہ اُٹھاوے انگریزی قوم کے تمام مدبر اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ دُنیا میں اُن کی موجودہ حیثیت اور رتبہ کا قیام اُن کی قوم کے دماغوں پر انحصار رکھتا ہے اور اسواسطے پبلک ایجوکیشن کا سوال پروپکار کا سوال نہیں ہے بلکہ یہ ایسا قومی سوال ہے جس کے ساتھ تمام قوم کی بہبودی وابستہ ہے۔ اور جس میں سب کا نفع شامل ہے۔ انگلینڈ میں گورنمنٹ وقت و قوم سکول اور کالج اور ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ اسواسطے نہیں کھولتے کہ اس سے انکو اپنی رعایا پر احسان کرنیکا موقعہ ملے۔ بلکہ اسواسطے کہ وہ اُن کی قومی ہستی کیواسطے ضروری ہیں اور ایسا کرنا اُن کا فرض ہے۔

انگریزوں کو اعلیٰ سے اعلےٰ اور عمدہ سے عمدہ اور اول درجہ کی تعلیم دینا گورنمنٹ کے اولین فرایض میں سے ہے اور کسی گورنمنٹ کی مجال نہیں جو اس میں غفلت کر سکے

صاحبان! انگلستان میں رعایا کو تعلیم پر روپیہ خرچ کرنے اور تعلیم کیلئے پورا انتظام کرنے کے لئے گورنمنٹ سے فریاد یا اپیل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ

وہاں پر گورنمنٹ اگر ایسا نہ کرے تو اُسکو جلد ہی اپنا بندھنا بوریا اُٹھانا پڑتا ہے - مسٹر ویب تعلیم کے متعلق لنڈن کونٹی کونسل کے فرایض کو مندرجہ ذیل فقرہ میں بیان کرتے ہیں۔

"اُس کونسل کا فرض ہوگا کہ لنڈن کے اُن ۸ لاکھ بچوں کیواسطے جن کیواسطے خاص عمر تک مدرسہ میں تعلیم پانا لازمی ہے۔ نہایت کافی وعمدہ انتظام جسمانی۔ اخلاقی و ذہنی تعلیم کا کرے۔ اس کونسل کا فرض ہوگا کہ ان ۸ لاکھ بچوں میں [illegible] سے اعلےٰ درجہ کی ذہنی بیدار مغزی پیدا کرے۔

اس کونسل کا فرض ہوگا کہ ان میں سے جس قدر تعداد میں سے ممکن ہو سکے اُسی تعداد میں یہ مادہ پیدا کرے جس سے اُن کو خود بخود نئی نئی ایجادیں کرنیکی قابلیت پیدا ہوجاوے اور وہ اس لائق ہوجاویں کہ ہمیشہ اپنے حالات کے مطابق نئی ضرورتوں کو نئے طریقوں سے کرسکیں۔

اس کونسل کا یہ بھی فرض ہوگا کہ ان سب بچوں کے لئے ایسے سامان مہیا کرے جس سے وہ سکول چھوڑنے کے بعد ہر قسم کی تعلیم کو جاری رکھ سکیں۔ اس کونسل کا یہ بھی فرض ہوگا کہ حسب لیاقت ایسے وظایف مہیا کرے جس سے وہ تمام بچے جو اپنی ذہنی اور دماغی ترقی سے قوم کو فایدہ پہنچا سکتے ہیں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پاسکیں۔

اس کونسل کا یہ بھی فرض ہوگا کہ اُن وظیفہ خواروں و ایسے غیر وظیفہ خواروں کل کے لئے جو اس سے فایدہ اُٹھانے کے قابل ہیں نہایت عمدہ اور مختلف قسم کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرے (یعنی سکنڈری اور یونیورسٹی) خواہ وہ علمی ہو۔ سائنٹفک۔ آرٹسٹک تجارتی۔ ٹیکنولیجیکل۔ یا پروفیشنل۔

اس کونسل کا یہ بھی کام ہوگا کہ ہر قسم اور ہر درجہ کے اُستادوں کی ٹرینگ کا انتظام کرے۔

غرض اس کونسل کا یہ کام ہوگا کہ تمام تعلیمی مشین کو ایسی طرح سے لگادے اور بنادے جس سے قوم میں اعضائے اعلیٰ ودیا و قابلیت کی ترقی کے ساتھ کیریکٹر۔ کلچر یعنی تعلیم و تہذیب و شائستگی کی بیشی ہو۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی علمیت اور تحقیقات کا موقعہ ہو

مندرجہ بالا فقروں میں مینے آپ کے سامنے وہ تعلیمی معراج رکھنے کی کوشش کی ہے جو ایک انگریز کی نگاہ میں محض شہر لنڈن کی کونٹی کونسل کے سامنے پارلیمنٹ نے رکھا اور جس سے آپ کل ملک کے تعلیمی معراج کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس اصول پر کاربند ہوئے چند سال سے انگلنڈ میں دستکاری۔ حرفت کاری اور سائنس کی تعلیم پر خاص زور دیا جارہا ہے اور سینکڑوں مدرسے اور کالج اس تعلیم کے لئے بنگئے ہیں کیونکہ خیال ہے کہ انگلستان کے بچے ان اقسام تعلیم میں دیگر تہذیب یافتہ ممالک کی سنتان سے پیچھے ہیں۔

اگر انگلستان کا یہ تعلیمی معراج ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے تو جرمنی اور امریکہ کا معراج اس سے کچھ بھی کم نہیں ہے۔ ان دونوں ممالک میں بھی ابتدائی تعلیم لازمی اور Free ہے۔ اور اعلیٰ تعلیم کے موقعے ایسے مکمل اور اعلیٰ ہیں کہ ہمارے تو وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتے۔ ان ممالک کے متعلق بھی کچھ ہندسے میں جمع کررہا ہوں جس سے آپ اُن کی تعلیمی حالت کا اندازہ کرسکینگے۔ میرا مطلب اس ساری سمع خراشی سے یہ ہے کہ شاید دنیا کے کسی زمانہ میں بھی اس مقولہ کی کہ "ودیا طاقت ہے" سچائی کو لوگوں نے ایسی صفائی اور ایسے پورے طور پر انوبھو نہیں کیا جیسے کہ آجکل ہورہا ہے۔ سچ مچ دنیا کی مختلف جہان قومیں اپنے اپنے طریق عمل سے اور اپنی اپنی تعلیمی اسکیموں سے یہ دکھلا رہی ہیں کہ "ودیا میں بل ہے"۔

تعلیمی اغراض ۔ اب میں آپکو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ تعلیم کا یہ کام اور یہ

صفت

معراج سمجھ کر ماڈرن دُنیا نے تعلیم کی نوعیت کو کیا سمجھا ہے اور وہ ایک بچے کے مختلف تعلیمی مرحلوں کو کس طور پر تقسیم کرتے ہیں جس سے کہ اُسکو نہ صرف اپنی ذاتی تعلیم سے ذاتی طور پر پورا فایدہ پہنچ سکے بلکہ جس سے کہ وہ قوم کا مفید ممبر بن سکے۔

پہلی بات جو اس بارہ میں میں آپ کے گوشگذار کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دُنیا میں ہمیشہ طریقے اور ذریعے ایسے ہونے چاہئیں جیسے کہ اغراض اور مدعا۔ پس پہلی صداقت جو تعلیم کے حامیوں کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ تعلیم کے طریقے وہی عمدہ اور مفید اور بہلا ایک ہوسکتے ہیں جو اُن اغراض اور مقاصد کے انوسار ہوں اور اُن سے مطابقت کھاتے ہوں۔ جو مقاصد کہ اس تعلیم سے حاصل کرنیکا مطلب یا مقصود ہو۔ جو اصحاب تعلیم کے طریقے داخل کرنے یا قایم کرنے میں تعلیم کے مقاصد کو نظر انداز کردیتے ہیں وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ پس پہلا اصول جو تعلیم کے بارے میں مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہہ ہے کہ کسی بچے کی تعلیم کا مقصود اور مدعا کیا ہے۔ ہر ایک ماتا پتا کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے بچے کی تعلیم کا پہلے عام مقصود اور مدعا قائم کرے۔ آپ کہیں گے کہ عام مقصود اور مطلب تو ہر ایک بچے کی تعلیم کا اوپر بیان ہوچکا یعنی "مکمل زندگی کے لئے طیاری" مگر اس عام مقصود کے ماتحت ہر ایک ماتا پتا کو اپنے اور اپنے بچے کے خاص حالات کے مطابق اُس کے لئے مکمل زندگی کا ایک فوٹو اپنے سامنے کھینچنا ہوگا۔ مثلاً ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک انگریزیہ لارڈ کے بچے کیلئے مکمل زندگی کا فوٹو اور ہو اور ایک ہندو کسان کے بچے کی مکمل زندگی کی تصویر مختلف ہو۔ اس عام مقصود کو مدنظر رکھ کر ہر ایک ماتا پتا کا فرض ہے کہ اپنے بچے کا تعلیمی معراج قایم کرے اور پھر اسکے وسایل پر توجہ دے۔ میں ذرا تفصیل سے اسکا مطلب بیان کرنے کی کوشش کرونگا۔

اول۔ آپ ایک ایسا شخص فرض کریں جس کے پاس دولت و مال و زمین و مکان

کافی ووافی ہیں۔ اُسکے بچے کا تعلیمی معراج یہ ہوسکتا ہے۔ اول یہ کہ دولت و مال کم نہ ہونے پاوے۔ دوئم یہ کہ اُسکا بیٹا اس قابل ہو کہ اُسکو بڑھا سکے۔ سوم یہ کہ اُسکا بیٹا اس قابل ہو کہ وہ عمدہ شایستہ طریقوں سے اس دولت و مال کی طفیل زندگی کا حظ اُٹھاوے۔ چوتھا یہ کہ وہ علاوہ ذاتی حظ اُٹھانے کے اس مال و دولت کو قومی بہتری میں اور قوم کا یش اور کیرتی بڑھانے میں خرچ کرے۔ پنجم یہ کہ دنیا کی ضروریات سے بیفکر وہ اپنی قوم کی عظمت بڑھاوے۔ ششم یہ کہ وِدّیا وتحقیقات میں نام پیدا کرے۔ ہفتم یہ کہ وہ سچے دھرم کا پرچار کرے۔ علیٰ ہذا

اب اسی طرح سے آپ ایک معمولی ہندو کسان کی حالت لیجئے جس کے پاس کوئی دولت اپنی اولاد کے پاس چھوڑنے کیواسطے نہیں ہے۔ اس شخص کا اعلے سے اعلیٰ تعلیمی معراج یہ ہوسکتا ہے کہ اُسکا بچہ اپنے باپ دادا کے دھرم پر قایم رہ کر اپنی زمین و مکان کو محفوظ کرتا ہُوا کامیابی سے روزی کمانے کے قابل ہو۔ معمولی طور پر وہ تمام مدعا اُسکے تعلیمی معراج کے حلقہ سے باہر ہیں جو ہم نے انگریزی لارڈ کی صورت میں بیان کئے۔

اس طرح سے ہر ایک ماتا پتا اپنی سنتان کا تعلیمی معراج قایم کرے۔ پھر اُسکی قدرتی جسمانی ودماغی قابلیتوں اور اُسکی قدرتی رغبتوں کے دریافت کرنیکا یتن کرے۔ یعنی یہ معلوم کرے کہ قدرت نے اُسکے جسم و دماغ کو کس کام کے قابل بنایا ہے اور کہاں قدرت کی اس کاریگری میں تبدیلی یا ترمیم یا کمی یا بیشی کی گنجائش ہے اور لڑکے یا لڑکی کا قدرتی میلان طبع کس طرف جاتا ہے۔ جو اصول میں نے اوپر بیان کرنے کی کوشش کی وہ ایک فقرہ میں اسطرح بیان ہوسکتا ہے کہ ماتا پتا اپنی سنتان کو طریقہ تعلیم کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کریں بلکہ طریقہ تعلیم کو بچے کے مطابق کریں۔ یا انگریزی کے الفاظ میں

We should not strive to fit the child to an education but rather fit education to the child

ابتدائی تعلیم

تعلیم کے مضمون پر اکثر مصنف جنھوں نے نہایت قیمتی کتب تحریر کی ہیں یہہ رائے رکھتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم کی بڑی غرض یہ ہے کہ بچے کی طاقتوں اور اسکی رغبتوں کا حال معلوم ہو سکے - اب تک یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ ابتدائی یعنے پرائمری تعلیم کے یہ معنی ہیں کہ لڑکے کو پڑھنا۔ لکھنا اور معمولی حساب سکھا دیا جاوے جن کو THREE R'S کہا جاتا ہے۔

اب ابتدائی تعلیم کی غرض ایک مصنف حسب ذیل بیان کرتا ہے :-

اول - بچہ کی معمولی جسمانی نشو و نما کی حفاظت کرنا اور اُسکو ترقی دینا یعنے (الف) یہہ انتظام کرنا کہ بچے کی جسمانی نشو و نما میں کچھ فرق نہ آوے

یعنی (Negative) حفاظت

(ب) یہہ انتظام کرنا کہ اُسکی جسمانی نشو و نما میں اسکو مدد ملے

یعنی (Positive) امداد

دوئم - عقلمندانہ تادیب اور عمدہ تعلیم کے ذریعہ سے بچے کو ایسی ذہنی تورات جس ایک نہ تمام حلقہ علم کا ابتدائی شکلوں میں اُسکے دل و دماغ کے سامنے آجاوے اور جس سے اسکے تمام قوی پیدا ہو ویں جنکا اثر اُسکے ذہن و اخلاق پر ہوتا ہے جن سے وہ دُنیا میں سندریہ[1] کو انوبھو کرسکے اُسکی (Appreciate) قدرشناسی کرنیکے قابل ہوتا ہے اور جس سے وہ دُنیا میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے یا بنانیکے لایق ہوتا ہے۔

میں جہاں تک اس فقرہ کا مطلب سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ابتدائی مرحلے میں لڑکے کو ایسی تعلیم دینی چاہیئے جس سے اُسکو تھوڑی تھوڑی واقفیت وِدّیا یعنی علم کی تمام شاخوں کی ہو جاوے - اس واقفیت سے یہ مطلب نہیں کہ وہ ان تمام ودیاؤں کے اصول علیحدہ علیحدہ پڑھے - بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ جیسے بحیثیت مجموعی دنیا ایک ہے اور قدرت ایک ہے - ایسے ہی بچے کے سامنے وِدّیا کا پرکاش ہو۔

[1] خوبصورتی

مختلف ودیاؤں کے اصول نہیں بلکہ مختلف ودیاؤں کے واقعات اور قدرت کے مختلف ظہورے اُسکے سامنے بحیثیت مجموعی رکھے جاویں جس سے وہ آہستہ آہستہ اُن میں تفریق اور تمیز کرنے کے قابل ہوجاوے جس وقت اُس میں یہ تفریق اور تمیز کرنے کا مادہ پیدا ہوجاویگا اُسیوقت سے اُسکا میلان طبع خاص مضامین کی طرف رجوع کرنے لگیگا۔ آپ شاید یہہ سوال کریں کہ یہ کسطرح ممکن ہوسکتا ہے کہ کل ودّیا کے ابتدائی واقعات چھوٹے بچے کو پڑھائے جاویں۔ اسلئے میں اپنی رائے جو مینے اپنے وچار سے اور مختلف فاضلوں کی تحریرات سے اخذکی ہے وہ ذیل میں پیش کرتا ہوں۔ میری رائے میں اغراض مندرجہ بالا کو حاصل کرنے کے لئے ابتدائی تعلیم کا کورس حسب ذیل ہونا چاہیئے۔

اول۔ مادری زبان کی ایسی درجہ وار تعلیم جس سے وہ روزمرہ کی بول چال سے واقفیت پیدا کرتا ہؤا اُسکی علمی شکل وصورت کو آسانی سے قبول کرے۔ اور جس سے بتدریج اُسکو اُس زبان کی واقفیت حاصل ہوجاوے جو اُسکی مادری زبان کے مقابلہ میں "کلاسک" کہلانے کا استحقاق رکھتی ہے۔

یہہ تعلیم بھی ایسی طرحسے دی جاوے جس سے بچے کے تمام ذہنی وجسمانی واخلاقی قوائے کو تربیت ہوسکے اور جس میں ودیا کی مختلف شاخوں کے موٹے موٹے نتائج ظہورے اور واقعات بصورت قصہ وکہانی بلا دلایل یا بحث کے اُس کے سامنے پیش ہوں۔ مثلاً اخلاقی کہانیاں۔ صحت وصفائی کے نتائج اور آسان آسان قواعد۔ جنگی کہانیاں۔ تجارتی لوگوں کی زندگی کے موٹے موٹے واقعات۔ قدرتی ظہوروں کے نقشے مثلاً مختلف جانوروں کی شکلیں اور اُن کی کہانیاں۔ مختلف پھولوں وپھلوں کے بیانات وغیرہ وغیرہ۔ اسکو مفصل طور پر آپ اُن ریڈروں میں مطالعہ کرسکتے ہیں جو انگلنڈ۔ جرمن اور امریکن سکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔

دوئم۔ معمولی حساب۔

سوئم - ہاتھ سے وآنکھ سے کام لینا - مثلاً لکھنا - ڈرائنگ - معمولی موٹے موٹے آلات کا استعمال جو عموماً روزمرہ دُنیا میں کام آتے ہیں - وغیرہ وغیرہ

پرائمری سکول کی تعلیم میں سبق اشیاء و ایک نہایت قیمتی ذریعہ تعلیم کا ہیں بشرطیکہ وہ بھی محض یا زیادہ تر کُتب کے ذریعہ نہ دئے جاویں بلکہ لڑکے کے حواس کے ذریعہ سے اُسکو دُنیا و مافیہا کا معمولی بودہ کرایا جاوے - اور اُس میں مشاہدہ کی عادت پیدا کی جاوے - اُسکو معمولی سادہ اشیاء کا جوڑ و توڑ - اُن کا بنانا اور ڈھانا سکھایا جاوے -

چونکہ یہاں پر میری غرض یہ نہیں ہے کہ میں پرائمری سکولوں کی اسکیم بناؤں بلکہ میرا مطلب صرف اپنے مطلب کو واضح کرنے کا تھا - اسلیئے میں اس حصۂ مضمون کو یہاں پر ختم کردیتا ہوں -

صرف کھیل و کود کے متعلق چند خیالات بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں - کیونکہ ہمارے ملک میں ابھی تک ماتا پتا نے اس بات کو اچھی طرح سے نہیں سمجھا کہ کھُلی ہوا اور روشنی میں بچے کا کھیلنا اور کودنا یہ بھی اُسکی تعلیم کا ایک جُزو ہے - اور جس طرح سے ماتا پتا یا دیگر منتظمان تعلیم کا یہہ فرض ہے کہ وہ بچوں کے ذہنی قوائے کے نشو و نما کا انتظام کریں اسیطرح اُن کا یہ ضروری فرض ہے کہ تعلیم کے اس ضروری حصے سے غافل نہ ہوں - چنانچہ یوروپ اور امریکہ میں کھیل تعلیم کا ضروری جزو خیال کی جاتی ہے - اور کھیل کود پر اُتنا ہی فکر کیا جاتا ہے اور اُتنی ہی توجہ دیجاتی ہے جتنی کہ دوسری قسم کی تعلیم پر ہے -

میں نے حال میں ہی ایک انگریزی رسالہ میں اس ضروری مضمون پر ایک ڈاکٹر ہچنسن صاحب ایم - ڈی کی ایک تحریر پڑھی جس میں اُنھوں نے علوم فزیالوجی وغیرہ کے پرمانوں سے یہہ ثابت کیا ہے کہ انسان کی ذہنی ترقی اور اسکے عقل و دل کی نشو و نما کے لیئے بھی کھیل کود اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ اُسکی جسمانی تندرستی اور ترقی کے لئے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں

کہ مختلف جانوروں کے مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے جس قدر زیادہ حصہ کسی جانور کو کھیل کود ولہو ولعب کیلئے دیا ہے اُتنا ہی زیادہ موقعے اُسکو دماغی ترقی کے حاصل ہیں - وہ دیکھتے ہیں کہ ہر ایک رگ و پٹھے کے بالمقابل دماغ کے Cells ہیں - جتنا کہ رگ و پٹھا صحیح وسالم ہوتا ہے اور طاقت میں بڑھتا ہے اُتنا ہی اُسکے مقابل جو دماغ کے (Cells) حصص ہیں اُن میں طاقت اور قابلیت زیادہ ہوتی ہے جو مناسب تعلیمی خوراک ملنے پر بہت زیادہ ترقی کر سکتی ہیں - چنانچہ انہیں اصولوں کی پیروی میں یوروپ اور امریکہ کے ہر ایک ابتدائی مدرسہ میں کھیل کے میدان وسیع اور کھیل کے سامان کافی ووافی ہیں اور اُستادوں کا خاص فرض ہے کہ لڑکوں کی کھیلوں میں دلچسپی لیں - اور کھیل کے میدانوں کو تعلیم کا مرکز بنا دیں - کنڈر گارٹن سسٹم کی بھی ساری بنیاد اسی اصول پر ہے جس کی خوبی کا اسوقت سارا جہان قایل ہے -

پس اگر تعلیم "مکمل زندگی کیلئے طیاری" کا نام ہے تو پہلا سوال یہ ہے کہ ہمارا معراج مکمل زندگی کا کیا ہے - کیا ہم "مکمل زندگی" اسی میں سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس دولت وافر ہو دُنیا کے سامان کثرت سے ہوں - دُنیا ہماری دولت و رُتبہ کی شاہد وگرویدہ ہو - اور ہم نازونعم وعیش وعشرت میں زندگی بسر کریں - یا کیا ہمارے لئے مکمل زندگی یہی ہے کہ بدن پر ہمارے کپڑا نہ ہو - کھانے کو ہمیں مشکل سے میسر آتا ہو - یعنی کبھی ملتا ہو یا نہ ملتا ہو - عمر بھر ہم کھانے پینے اور پہننے کے لئے دوسروں کے سوالی رہیں مگر تمام عمر اس دُھن میں گذار دیں کہ سیدھا پرمیشور سے رشتہ گانٹھا جاوے اور اس سے وصال اور سمبندھ پیدا کیا جاوے - یا کیا ہماری مکمل زندگی اسی میں ہے کہ ہم عمر بھر اُس خوشی کے متلاشی رہیں جو نفیس عبارت آرائی - بلیغ زبانداںی - الفاظ کی خوبصورت بندش اور دلکش اور موزون فقرہ بندی سے حاصل ہوتی ہے - یا کیا ہماری مکمل زندگی اسی میں ہے کہ ہم تمام عمر اپنے بدن کو سڈول - خوبصورت - تنومند اور مضبوط بنانیمیں صرف کر دیں

اور کیگر سنگھہ یا غلام یا سینڈو کو اپنا نمونہ بناویں۔ غرض تعلیم کے یہ معنے بھی ہمارے لئے جب ہی مفید ہو سکتے ہیں جبکہ ہم یہہ سمجھ لیں کہ ہمارے لئے مکمل زندگی کا معراج کیا ہے۔

مگر مکمل زندگی کے معراج کو قایم کرتے وقت بھی ہمیں اُن حالتوں پر خاص طور پر دھیان دینا ہوگا جن حالتوں میں ہمارے خالق نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ہماری اپنی جسمانی اور ذہنی حالت۔ ہمارے ماتا پتا و سمبندھیوں کی مجموعی حالت ہماری قوم کی اخلاقی۔ روحانی۔ مالی اور ملکی حالت۔ ہماری جنم بھومی کی حالت یہ سب امور ایسے ہیں جن کا لحاظ کرنا ہمارے واسطے ضروری ہے قبل اسکے کہ ہم اپنے لئے مکمل زندگی کا معراج قایم کر سکیں۔ ہم نے مانا کہ عام طور پر ہر ایک انسان کیلئے مکمل زندگی کا معراج ایک ہی ہو سکتا ہے یعنی یہہ کہ وہ اپنے جسم اور اپنے دل و دماغ کو ایسے طور پر استعمال کرنے کے قابل ہو جس سے وہ جیو آتما کی زندگی میں ترقی کرنے کے لایق ہو سکے۔ مگر تاہم اس عالمگیر معراج کے ماتحت ہر ایک شخص کیلئے اپنے پیدایشی۔ قومی۔ مذہبی اور ملکی حالات کے بموجب مکمل زندگی کا معراج مختلف ہوگا۔ مثلاً اہل ہند کے لئے مکمل زندگی کا معراج وہ نہیں ہو سکتا جو اہل انگلینڈ کے لئے۔ اسی طرح آجکل کے ہندوؤں کیواسطے مکمل زندگی کا معراج بہت حد تک اُس سے مختلف ہے جو کہ مہابھارت کے زمانہ میں تھا۔

پس اے میرے اہل وطن اپنی تعلیمی اسکیم سوچنے سے پہلے آؤ ہم اپنے لئے اُس مکمل زندگی کا سٹینڈرڈ قایم کر لیں جس کیلئے ہم نے تعلیم حاصل کرنی ہے یا جس کے لئے ہماری تعلیم نے ہم کو طیار کرنا ہے۔

آیئے پہلے ہم دیکھیں کہ عام طور پر کسی انسان کی مکمل زندگی کے کیا معنے ہیں۔

ہماری رائے میں مکمل زندگی یہہ ہے:۔

اول یہہ کہ انسان عمدہ سے عمدہ صحت رکھ سکے اور زیادہ سے زیادہ جی سکے۔

دوئم یہہ کہ انسان اپنے دماغ کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہنچا سکے اور اُس سے زیادہ سے زیادہ کام لے سکے۔ دماغ کی کامیابی محض ذہنی نہ ہو بلکہ عملی بھی ہو۔ یعنی بُدھی جو جملہ حواس کی سرتاج ہے واقعی باقی کی تمام اندریوں پر قابو رکھتی ہو۔ اُس شخص کی زندگی کیوں نہ مکمل ہو جو ایک روشن دماغ رکھتا ہؤا اپنی اندریوں کو اپنے دماغ کے ماتحت رکھتا ہے۔ جس سے اُسکی روشنضمیری خوش اخلاقی کے ساتھ ملجاوے۔ روشن دماغی۔ خوش اخلاقی اور ایک صحیح وسالم جسم کے ساتھ زندگی کو مکمل بنانے کیواسطے صرف دو دیگر چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک کافی و وافی سامان معاش اور دوسرے جیئو آتما کی روحانی ترقی کی ضرورت کا انوبھو ہماری رائے میں مکمل زندگی ان پانچوں چیزوں کے باتناسب میل جوڑ کا نام ہے۔ جس شخص کو جس درجہ تک یہ پانچوں چیزیں مناسب مقدار میں مہیا ہوں اُس درجہ تک اُسکی زندگی مکمل ہے اور جس درجہ تک نہ ہوں اُس درجہ تک نامکمل ہے۔

ان خیالات کو زمانہ حال کے ہندوؤں پر لگاتے ہوئے ہم یہہ دیکھہ سکتے ہیں کہ آج کل ایک معمولی اوسط درجے کے ہندو کیواسطے مکمل زندگی کیا ہو سکتی ہے۔

ایک ہندو کی زندگی کو مکمل بنانے کے لئے یہ ضرور ہے۔

(۱) کہ اُسکو صحت کے عمدہ رکھنے اور عمر کو بڑھانے کی قابلیت ہو۔

(۲) اسکا دل و دماغ اس درجہ عملی طور پر روشن ہو (الف) اُسکی اندریاں (حواس) اسکی بُدھی (عقل) کے مطیع ہوں تاکہ اُسکو اخلاقی پاکیزگی حاصل ہو سکے (ب) یہہ کہ وہ دُنیا میں اپنے دل و دماغ سے اپنے لئے ایسا اور اتنا سامان معاش پیدا کر سکے جو کہ نہ صرف اُسکی جملہ ضروریات کیواسطے کافی ہو بلکہ جس میں اُس سوسائیٹی اور اُس ملک کی بھی بہبودی اور ترقی متصور ہو جس میں اُسنے جنم لیا ہے۔

(۳) کہ اُسکو اپنی روحانی ترقی کی ضرورت کا انوبھو (علم) ہو اور وہ اپنے روشن

دل و دماغ کو جیو آتما کی آیندہ زندگی کے لئے استعمال کر سکے۔ یعنی تمام دنیاوی فرایض سے سبکدوش ہوتا ہؤا وہ اپنے آتمک فرایض کو بھی بجالانے کے قابل ہو۔

پس اس قسم کی کمل زندگی کے لئے طیار ہونے کیواسطے ہر ایک ہندو کی تعلیم میں مندرجہ بالا باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) اُس کی تعلیم۔ اُسکی جسمانی صحت و بہبودی کی مؤید ہو اور مخالف نہ ہو

(۲) یہہ کہ اُسکی تعلیم اُسکو سامان معاش حاصل کرنے کے قابل بناوے جو نہ صرف اُسکی ذاتی پاکیزگی اور اُسکی ذاتی ترقی (جس میں اُسکی اخلاقی ترقی بھی شامل ہے) کے مخالف نہ ہو بلکہ اُسکے مؤید ہو۔ اور مزیدے براں جو اُسکی قومی ترقی کے بھی مخالف نہ ہو بلکہ مؤید ہو۔

(۳) یہہ کہ مذہب کی ایسی عملیات اُسکی تعلیم کا جزو ہوں جن سے وہ اپنے مذہب کے باریک اور بیش قیمت مرم (راز) سمجھنے اور اُس سے روحانیت کا حظ اُٹھانے کے قابل ہو سکے۔

(۴) اُسکی تعلیم پر اس خیال کی مہر لگی ہوئی ہو کہ اُسکی سوسایٹی اور اُسکی قوم کی بہبودی کا مدار اُسکی نیک نیتی۔ اُسکی نیک چلنی۔ اُسکی نیک اطواری۔ اُسکی محبت قومی اور اُس میں اُس سپرٹ کی موجودگی پر ہے جس سے ہر ایک فرد قوم کو ہمیشہ اپنے ذاتی اغراض اور مفاد کو قومی اغراض اور مفاد کے مقابلہ میں قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ جو تعلیمی اسکیم نمبر ۲ کا پورا لحاظ نہیں رکھتی وہ ضرورتاً ادہوری اور ناقص ہے کیونکہ اس دُنیا میں نمبر ۲ کے بغیر اغراض نمبر ۱ و نمبر ۳ کا حاصل ہونا مشکل ہے۔ پس ہر ایک ہندو کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لئے یا اپنی قوم کے بچوں کے لئے جو تعلیمی اسکیم بناوے اُس میں نمبر ۲ کا پورا لحاظ رکھے اور اُسکے لئے پورا انتظام کرے

اسلئے ہم سب سے پہلے یہہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ غرض نمبر دوئم کو مدنظر رکھکر ہماری تعلیمی اسکیم کس طرح وضع ہونی چاہیئے - اول تو ہمیں یہہ سمجھ لینا چاہیئے کہ غرض نمبر ۲ کی کامیابی کا مدار ہماری قوم کی حالت تمدن پر منحصر ہے - جس صورت میں قدرت اور پرماتما نے ہم کو ایک خاص حصۂ دُنیا اور ایک خاص گروہ انسانات میں جنم دیا تو اُسکے صریح معنی یہہ ہیں کہ ہم اس مُلکی اور قومی رشتہ میں جکڑے ہوئے مُلک اور قوم کی اچھی اور بُری حالتوں کے حصہ دار اور شریک ہوں - چنانچہ اسی خیال سے سنہ ۱۹۰۲ء میں لاہور آریہ سماج کے سالانہ جلسہ پر مینے مکمل قومی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے یہ عرض کی تھی کہ دراصل وہی اسکیم مکمل ہوسکتی ہے - جس میں

(۱) تعلیم حاصل کرنیوالے کے انٹرسٹ
(۲) تعلیم دینے والے ماتا پتا کے انٹرسٹ
(۳) جس قوم میں جنم لیا ہے اُسکے انٹرسٹ
(۴) جس گورنمنٹ کے زیر سایہ رہتے ہیں اُسکے انٹرسٹ

سب ایک اور مطابق ہوں - یہ سارے انٹرسٹ صرف وہاں ایک اور مطابق ہوسکتے ہیں جہاں کسی غیر کی بادشاہت نہ ہو اور حکومت قوم کے اپنے ہاتھ میں ہو - ہم اپنی تعلیم کی بابت وچار کرتے ہوئے اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ہم ایک غیر قوم کی زیر حکومت ہیں حکمران قوم کا یہہ انٹرسٹ ہے کہ ہم کو ایسی تعلیم نہ دے اور نہ پانے دے جس میں اُن کی حکومت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو - یا جس میں اُن کی یافت اور فایدے کم ہوجانے کا اندیشہ یا احتمال ہو - اگرچہ عام طور پر یہہ کہہ دینا بہت درست ہے کہ رعایا کی مکمل خوشحالی میں ہی غیر قوم کی حکومت کی طاقت اور اُسکا استقلال ہے مگر یہہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دُنیا میں کوئی شخص یا کوئی قوم بھی کبھی انسانی قیود اور خود غرضی سے ایسی آزاد نہیں ہوسکتی اور نہ آجتک ہوئی ہے جو اپنے خاص نفع و نقصان سے بےپرواہ ہوکر محض محکوم قوم کے فایدہ کے لئے حکومت کی تکلیف اور ذمہ واری

کی متحمل ہو۔ پس جو لوگ یہہ سمجھتے ہیں کہ انگریز اس ملک میں محض ہمارے فایدے کیلیے اس قدر محنت اور سردردی اٹھاتے ہیں وہ اصل میں ایسا نقشہ باندھتے ہیں جو انسانی عملیات سے بالکل بعید ہے۔ پس یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ ہندوستان میں حکمران اور محکوم اقوام کے انٹرسٹ کلیتاً ایک اور مطابق نہیں ہو سکتے۔ اہل انگلستان کا یہہ انٹرسٹ نہیں ہے کہ آپ کو ایسی تعلیم دیں جس سے اُن کی آمدنی اور خوشحالی میں فرق آوے۔ اُن کا یہہ انٹرسٹ ہے کہ آپ کو صرف اُس درجہ کی تعلیم دیں جس سے کم از کم اُن کی موجودہ آمدنی اور منفعت میں کمی نہ ہو۔ اور آپ بھی جہاں تک کہ آپ اس امر کا لحاظ رکھ کر خوش رہ سکتے ہیں وہاں تک خوش رہیں۔ مگر برعکس اسکے محکوم قوم کا یہہ انٹرسٹ ہے کہ وہ ایسی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرے جس سے وہ مالی حیثیت میں اسوقت سے زیادہ بہتر اور خوشحال ہوجاوے اور جس سے اُس نقصان کی مقدار کم ہوجاوے جو غیر قوم کے حکمران ہونے سے اُسکو پہنچ رہا ہے۔ پس ہندوستانیوں کو یہہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اُنکا تعلیمی انٹرسٹ کسی درجہ تک ضرور حکمران قوم کے انٹرسٹ سے علیحدہ اور مختلف ہے۔ اسواسطے اس حد تک اپنی تعلیم کو اپنی قومی ضروریات کے مطابق کرنے اور اُسکی کمیوں کو پورا کرنے کی ذمہ واری اُنپر ہے۔ گورنمنٹ کو کوسنے یا اُسکو لکچر دینے یا اُسکی شکایت کرنے سے یہہ ذمہ واری پوری نہیں ہوگی۔ پس ہر ایک ہندوستانی کا فرض ہے کہ پہلے تین طرح کے انٹرسٹ مطابق کرنے کی کوشش کرے۔ یعنی اپنے اہل وطن کے لئے ایسی تعلیم مہیا کرے جس سے اُسکے بچوں اور اُسکی قوم کے انٹرسٹ مساوی محفوظ ہوتے ہوں۔ یعنی جس سے شخصی اور قومی اغراض دونوں ایک دوسرے کے مخالف نہ جاسکیں بلکہ ایک دوسرے کیلئے مؤید ہوں۔ ہر شخص کا یہہ انٹرسٹ ہے کہ ایسے سامان و ذریعے معاش کے پیدا کرے جن سے نہ صرف اُسکو ذاتی فایدہ ہو بلکہ جن سے قومی فایدہ بھی متصور ہو۔ ہر ایک شخص

میں اتنا دماغی اور اخلاقی بل ہو کہ وہ اُن تمام ذریعہ ہائے معاش سے کنارہ رہ سکے جن سے فی زمانہ گو اُسکو ذاتی منفعت تو حاصل ہوتی ہو مگر جو اُسکی قوم کیواسطے مُضر اور مانع اُسکی ترقی کے ہوں۔

سامان معاش کے متعلق یہہ قومی اسٹینڈرڈ بیان کرکے ہم شخصی ضرورتوں کا خیال کرتے ہیں۔

اول تو اس ملک میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنے بچوں کی تعلیم کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے بلکہ جن کے حالات اسباب کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ تعلیم کے مفت ملنے کی صورت میں بھی چند سالوں کے لئے اپنے بچوں کو اسکول میں تعلیم دے سکیں۔ کثیر تعداد آبادی ہندوستان کی ایسی ہے جو عموماً دس بارہ برس کی عمر سے ہی اپنے بچوں سے معاش اور روزی میں مدد لینی شروع کر دیتے ہیں۔

(۲) اسکے بعد پھر وہ حصہ آبادی کا آتا ہے جو اپنے بچوں کو صرف چند ابتدائی سالوں میں ہی تعلیم دے سکتا ہے اُس سے زیادہ نہیں۔

(۳) پھر وہ حصہ آبادی کا ہے جو اس قدر مقدرت رکھتا ہے جو ہائی سکول تک تعلیم دینے کی فرصت یا مقدرت رکھتا ہے۔

(۴) وہ حصہ آبادی کا بہت ہی کم ہے جو یہہ مقدرت رکھتا ہے کہ اپنے بچوں کو یونیورسٹی تعلیم دے سکے۔

(۵) اس میں سے بھی وہ حصہ آبادی کا تو نہایت ہی قلیل ہے جو محض علمی یا تہذیب یا شائستگی یا اعلےٰ روحانی اغراض سے اعلیٰ تعلیم دے سکتا ہو بلکہ عموماً کثیر تعداد کی غرض یہی ہوتی ہے اور یہی ہوسکتی ہے کہ اُن کے بچے اپنی تعلیم سے اپنے معاش کے حاصل کرنے میں مدد پاسکیں۔ پس ان حالات میں تعلیم کی وہ اسکیم محض ناقص ہے جو عام طور پر تعلیم حاصل کرنیوالوں کو اس قابل نہیں کرتی کہ بلحاظ حصول معاش کے اپنے حالات

اور اپنے قوم اور ملک کے حالات کے جہاں تک ممکن ہو سکے وہاں تک جملہ پہلوؤں میں مکمل زندگی بسر کرنے کی تیاری کر سکیں۔

ایسی حالت میں قوم کے بہی خواہوں کا فرض اولین یہہ ہے کہ وہ قوم کو ایسی تعلیم کی طرف متوجہ کریں جو اُنکے تبدیل شدہ حالات میں اُنکے بچوں کو زندگی کے سنگرام (جنگ وجدل) میں کامیابی کے قابل بنا دے اور جس سے ایک معقول حد تک اُن کو دیگر پہلوؤں میں بھی اپنی زندگی کے مکمل کرنیکا موقعہ ملے۔ ایک متمول۔ حکمران زبردست قوم کے بڑے بڑے ارکان کے لئے جو سینکڑوں۔ ہزاروں۔ لاکھوں روپیہ کی آمدنی پر بھی قناعت نہیں کرتے ایک محکوم قوم کے بچوں کو یہہ کہنا بہت آسان ہے کہ موخرالذکر علم کی اصلی قدر نہیں جانتے اور اُسکی قیمت محض روپیوں اور پیسوں سے قائم کرتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ اس دیش میں قوم کا ایک معقول حصہ علوم کی اُن جملہ شاخوں میں اعلیٰ ترین ترقی کے اسٹینڈرڈ حاصل کرنے میں مصروف رہتا تھا جن کا براہ راست تعلق معاش سے نہ تھا کیونکہ اُسوقت کوئی غیر قوم اُن کے معاش میں خلل انداز نہ تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ہر ایک دوج (دوجنما) آریہ کے لئے کم از کم ایک وید کا جاننا ضروری تھا جس میں اُسکی زندگی کے بارہ برس خرچ ہو جاتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ اس ملک کے باشندگان نے گرامر یعنے سائنس کو جو معاش کے پیدا کرنے میں کچھ بھی مدد نہیں دیتی کمالیت پر پہنچایا۔ فلسفہ کو۔ علم ہیئت کو۔ نجوم کو اور ریاضی کو وہ فروغ دیا کہ اب تک بھی زمانہ اُن کی عالی دماغی کا شاہد ہے۔ یہ وہ قوم تھی کہ جس نے کبھی اپنی اعلےٰ درجہ کی علمیت اور فضیلت کو دولت کے حاصل کرنے یا دوسروں کا ملک چھیننے اور اُن کے مال و دولت پر کسی نہ کسی طرح قابو پانے میں صرف نہیں کیا۔ جنہوں نے کبھی علم کی قیمت روپیہ پیسہ سے نہیں کی۔ نہ اُسکو بیچا۔ نہ اُسکو خریدا۔ نہ اُسکو دولت کے ساتھ میزان پر چڑھایا۔

لیکن اب زمانہ دگرگوں ہے۔ اب وہی قوم بھوکوں کے مارے لاچار ہے - لاکھوں ہر سال بھوک کا نشانہ بنتے ہیں۔ بہتیرے تو روٹی اور پانی کو ترستے ہی رہتے ہیں۔ اور بہتیرے ایسے ہیں جن کو وِدّیا کے مندر میں گھسنا نہیں ملتا۔ اب وہ زمانہ ہے کہ جسمیں چند زبردست و فاضل اقوام اپنی اعلیٰ علمیّت اور فضیلت سے کمزور قوموں کو لوٹنے میں مصروف ہیں جس زمانہ میں علمیت اور فضیلت زیادہ تر اسی کام میں آتی ہے کہ دوسروں کو زبون اور زیر کیا جاوے اور اُن سے کسی طرح دولت کمائی جاوے۔ ایسے وقت میں ان علم کی دوکان رکھنے والی قوموں کا محکوم قوموں کو یہ کہنا کہ تم علم کو روپیہ پیسہ سے جانچتے ہو محض مکاری اور دھوکہ بازی ہے۔ ایسے وقت میں ان عالم وفاضل دوکانداروں۔ کارخانہ داروں۔ اور لُٹیروں سے بچکر وہی شخص رہ سکتا ہے جو اُن ہتھیاروں سے واقفیت رکھتا ہو جنسے وہ اپنا کسب کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں روزی کمانے اور معاش حاصل کرنیکی قابلیت حاصل کرنا تعلیم کی اعلیٰ ترین اغراض میں سے ہونی چاہیئے۔ ایسی صورت میں وہی تعلیم مکمل زندگی کی تیاری ہوسکتی ہے جو انسان کو ان زبردست اور عالم دوکانداروں کے مقابلہ میں روزی کمانے کے قابل بنا دوے۔

ایسے وقت میں قوم کے سامنے یہ معراج رکھنا کہ اُسکے بچے اُن چند سالوں کو جو اُن کو اپنی غریبی کی حالت میں تعلیم کے لئے مل سکتے ہیں گرامر کے گھوٹنے میں یا زبان کی باریکیوں کے سمجھنے یا اُنپر حاوی ہونے میں صرف کردیں صرف نادانی ہی نہیں بلکہ خودکشی ہے۔ ایسے وقت میں قوم کے سامنے زندگی کا ایسا معراج قائم کرنا جو بہتر حالتوں اور آزادی کے دنوں میں ہی نبھ سکتا ہے عقلمندی سے بعید ہے۔

ایسے وقت میں قوم کی توجہ کو عملی تعلیم سے خیالی معیاروں کی طرف جھکا دینا دوراندیشی نہیں۔ یہ تو وہ زمانہ ہے جبکہ ہر ایک منٹ ایسی تعلیم کے حاصل کرنے میں خرچ ہونا چاہیئے جس سے فی زمانہ ہندو بچے زندگی کے سنگرام (جنگ) میں یدھ (لڑائی) کرنے کے

قابل بن سکیں - اس سے ہمارا یہہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُنکے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو بالکل نظرانداز کردیا جاوے اور محض دُنیاوی تعلیم پر ہی ہم اکتفا کریں بلکہ ہمارا مطلب یہہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی پہلو عملی طور پر تو ہمارے سامنے رہیں مگر زمانہ کی ضروریات کے مطابق اُن کے حصول کے طریقے ایسے تبدیل ہوجائیں جس سے وہ تعلیم معاش کے سدراہ نہ ہوں - آج کل ہندو تعلیم یافتہ گروہ میں اور خصوصاً آریہ سماج میں ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کو یہ خیال دامنگیر ہے کہ ویدک زندگی کے جملہ پہلو پھر دوبارہ اس دیش میں تروتازہ ہوجاویں -

ایک زمانہ تھا کہ ہندو تعلیمیافتہ گروہ کو یہہ گوارا بھی نہ تھا کہ اُن کی سابقہ تاریخ کا پردہ اُٹھایا جاوے - اُن کے دل میں یہ یقین تھا کہ سنسکرت ایک مردہ زبان ہے اور اس میں معمولی توہمات کے سوائے اور کچھ نہیں - اُن کی رائے میں اُنکے پراچین قدمائے وحشی اور غیر تہذیب یافتہ تھے - اسلئے اُن کی یہ رائے تھی کہ ہم اپنی پچھلی تاریخ سے کوئی سبق ہی نہیں سیکھ سکتے -

اسوقت ہندو سرتوڑ زمانہ حال کی نوین تہذیب کے پیچھے دوڑے جارہے تھے - حتیٰ کہ **سوامی دیانند سرسوتی** کی زبردست - عالمانہ اور سچائی سے بھری ہوئی آواز نے اور یوروپین محققوں کی تحقیقاتوں نے یک لخت اُس پردہ کو اُٹھا دیا - پردہ کا اُٹھنا تھا کہ ہندو تعلیم یافتہ پارٹی کی رائے اور خیال فوراً بدل گیا - نفرت کی جگہ واہ واہ کے کلمات خود بخود زبان پر آئے - چاروں طرف سے چہروں پر بشاشت اور رونق آگئی - لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ ہمارے پاس دُنیا کا سب سے قدیم - سب سے پاکیزہ - سب سے سچا اور سب سے مدلل دھرم ہی نہیں بلکہ ہماری سابقہ تہذیب اور علمی ترقی بھی ایسے اعلےٰ درجہ کی ہو چکی ہے کہ ہمارے واسطے ہر طرح سے باعث فخر اور عزت ہے - آریہ سماج کے پرچارتے پراچین زمانہ کے تمام انسٹی ٹیوشنز اور طریقہ ہاۓ

زندگی و معاش کو کھولکر ہندوؤں کی نظروں کے سامنے رکھ دیا۔ اور یہہ ثابت کر دیا۔ کہ موجودہ ہندو سوسایٹی کی تمام برائیاں دماغی۔ عقلی۔ جسمانی اور ساماجک یہ سب اُن عمدہ طریقہ ہائے زندگی کو چھوڑ دینے اور سچے اصولوں سے گر جانے کا نتیجہ ہیں۔ اُدھر یورپین فاضلوں نے پراچین سنسکرت کے ذخیرے اور خزانے کھود کر خیالات اور مسایل۔ تہذیب و شائستگی۔ علم و ہنر کے وہ بیش بہا موتی دُنیا کو دکھائے کہ پرانے ہندو یکلخت دُنیا کی نگاہ میں قابل عزت ہو گئے اور دُنیا کو ان مہان پرشوں کے گرے ہوئے وارثوں کے ساتھ کسی قدر ہمدردی ہو گئی۔ آریہ سماج نے تو پراچین تہذیب و شائستگی۔ پراچین انسٹی ٹیوشنز اور طریقہ ہائے زندگی۔ ورن و آشرم کی پراچین پرتال وغیرہ کو سراہا تھا اور پوراتک طریقہ جات کے عیب بتلا کر لوگوں کو اُن سے متنفر کرنیکی کوشش کی تھی۔

مگر ہماری بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ساتھ ہی ایک اور جماعت کھڑی ہو گئی جس کے عالم و فاضل ممبروں نے بسر گروہی چند یورپین فاضلوں کے ہندوؤں کے ہر ایک رسم و رواج اور اُن کے ہر ایک انسٹیٹیوشن کی تعریف کرنی شروع کی۔ اُنہوں نے مورتی پوجا۔ شرادھ۔ اوتار پرستی۔ قبر پرستی۔ تیرتھ یاترا سے مُکتی سب چیزوں کو سائنس سے سدھ کر دیا۔ اور ہندوؤں کو ایسا پھسلایا کہ اب تمام دُنیا اُن کی نگاہوں میں حقیر ہو گئی۔ آریہ سماج نے ہندوؤں کو جھوٹے ویراگ اور جھوٹے ویدانت کے پنجے سے چھڑانے کی کوشش کی مگر ان سائنس سے بھوت۔ چڑیل وغیرہ سدھ کرنیوالے ودوانوں نے انہیں دونوں کمزوریوں کو سامنے رکھ کر ہندوؤں کو موہت کر لیا۔ بہرحال ان جملہ طاقتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ایک کثیر گروہ کو یہہ یقین ہو گیا کہ ان کے تمام انسٹی ٹیوشنز اچھے ہیں اور وہ اب بھی روحانیت اور اخلاق میں ساری دُنیا سے چند قدم آگے ہیں۔

خلاصہ کلام یہہ کہ جہاں آریہ سماج کی تعلیم نے آریہ سماجی اور اُن کے ہمدرد ہندوؤں کو [illegible] کے لئے طیار کیا کہ وہ پراچین ویدک انسٹی ٹیوشنز کو زندگی کا معراج بنا کر اُن کے دوبارہ

رائج کرنے کی کوشش کریں وہاں تھیوسافیکل سوسایٹی نے پورانک ہندوں کو پرانک ویراگ و ویدانت کے پنجے میں پھنسا کر ایسا موہا کہ اب وہ اپنی حالت و طریقہ ہائے زندگی میں زیادہ تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور بھگویں کپڑے پہنکر اہم برہم بننے یا دیگر طرح سے شانتی کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ ہماری رائے میں ان دونوں طاقتوں نے جہاں ہندو سوسایٹی کو فایدہ پہنچایا وہاں کسی درجہ تک گمراہ بھی کیا۔ تھیوسافیکل سوسایٹی کے لیڈرز تو یہ خیال کرنا بھی پسند نہیں کرتے کہ زندگی کے سنگرام میں جیسا کہ آجکل جاری ہے ویدانت اور ویراگ کام نہیں آسکتے۔ اور قوم کو دوبارہ ویراگ اور ویدانت میں پھنسانا اُنکے گلے پر چھری پھیرنا ہے۔ ہندو جو صدیوں سے بے محل اور بے موقع روحانیت کا شکار ہو رہے ہیں اُنکے درمیان آنکر اُن طریقوں کی بُرائی کرنا جن سے یوروپ اور امریکہ نے ترقی حاصل کی ہے اور جس سے تمام دُنیا اُن کا سکہ مانتی ہے اور ہندوؤں کے ویراگ۔ تیاگ اور اُن کی روحانیت کی تعریف کرنا یہ گویا ہندوؤں کیواسطے زہر ہلاہل کا پیالہ ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ہم یہہ بھی کہے بغیر نہیں رہسکتے کہ ہمارے خیال میں وہ آریہ سماجی بھی ضرور نا عاقبت اندیش ہیں جو ویدک زمانہ کو پھر اس دیش میں ترو تازہ کرنے کے زعم میں ہندو سوسایٹی کو اس خیال پر لا رہے ہیں کہ وہ بعض پرانے انسٹی ٹیوشنز کو تمام وکمال نقل کر لیں۔

میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آریہ سماج کے حلقہ میں ہی نہیں بلکہ تمام ہندو سوسایٹی میں میں کسی سے کم پراچین ویدک دھرم کی عظمت کا قایل نہیں۔ میرے دل میں ویدک سدہانتوں کا گورو کسی سے کم نہیں۔ اور پراچین ویدک انسٹی ٹیوشنز اور سدہانتوں کے سراہنے اور اُن کا نقشہ ہندو پبلک کے سامنے کھینچنے میں مَیں نے کسی دوسرے سے کم حصہ نہیں لیا۔ مجھے اس امر کا وشواس ہے کہ ہماری ترقی کے لئے ویدک دھرم کے اصولی سدہانتوں کو اپنے جیون میں گرہن کرنا ضروری ہے۔ میرا یہہ درڑھ خیال ہے کہ

ایک ویدوں کے جھنڈے کے نیچے۔ اونکار کی پرستش کے اختیار کرنے سے ہی
ہندؤں میں مذہبی وقومی اتفاق ہوسکتا ہے مگر تاہم میں اس امر سے آنکھیں بند کرنا
پسند نہیں کرتا کہ دوبارہ ویدک زمانہ کو اپنے پورے جمال وکمال میں اس دیش میں
تر وتازہ کرنیکا خیال محض عبث اور بیہودہ ہے۔ ایسا ہونا ناممکنات سے ہے اور اسکی
آشا کرنی ایسی ہی ہے جیسے کہ سمندر کو مٹھی میں بند کرنے کی۔

مذہب اور دھرم کے اصولی سرہانت (مسایل)۔ مذہب اور دھرم کی اصلی سچائیاں
تمام زمانہ کے لئے یعنی ہمیشہ کیواسطے ایک سی اور سچی ہیں مگر زندگی کے طریقے اور انسٹی ٹیوشنز
ہمیشہ زمانہ کی حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں اور کسی قوم کیواسطے یہہ ناممکن ہے
کہ پھر ہر طرح سے وہ اسی حالت میں ہوجاوے جیسے کہ وہ اس سے پہلے کبھی ہوچکی ہے۔
پس گو ہم دعوے سے۔ سچائی سے اور نہایت شردھا سے تمام ویدک انسٹی ٹیوشنز کی
تعریف کرسکتے ہیں۔ ان کی خوبیوں کو لوگوں کے سامنے وضاحت سے بیان کرسکتے ہیں۔
اپنے اہل مذہب کو یہہ بتا سکتے ہیں کہ ان کی موجودہ بدبختی اور ادبار ان انسٹی ٹیوشنز کو
چھوڑ دینے کا نتیجہ ہیں لیکن تاہم ہم عقلمندی سے اپنی قوم کی بہتری کو مدنظر رکھ کر
ان سے یہہ درخواست نہیں کرسکتے کہ وہ ہوبہو سابقہ انسٹی ٹیوشنز کو تر وتازہ کر کے
ترقی کریں۔ ہماری رائے میں قوم کو یہہ تعلیم دینا اسکو گمراہ کرنا اور راہ راست سے ہٹانا ہے
ہماری رائے میں اس قسم کا اپدیش قوم کیواسطے ایسا ہی زہر قاتل کا اثر رکھتا ہے جیسے
کہ پورانک بھائیوں کی یہہ ضد کہ انکے جملہ تعصبات اور توہمات سائنس سے ثابت ہوسکتے ہیں
اور ان کو اپنے رسم ورواج وعادات کے تبدیل کرنے اور توہمات کے چھوڑنے کی
ضرورت نہیں۔

ہمیں واجب ہے کہ ہم اپنے تعلیمی انسٹی ٹیوشنز کی اسکیم کے بناتے میں ان یوروپین محققان مسایل تعلیم
کے بیش قیمت تجربات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں جنہوں نے عمریں اس سوال

پر وچار کرتے اور اُسکے ہر پہلو کی تحقیقات کرنے میں خرچ کر دیں ہیں - ناظرین یاد رکھیں کہ آج ہم اُس زمانہ میں ہیں جبکہ طریقہ تعلیم کو بھی بذات خود ایک سائینس کا درجہ مل چکا ہے اور جبکہ علم وفضیلت کی دُنیا کے اعلےٰ سے اعلےٰ تاجوران و پاسداران اُن اصحاب کا سکہ مان چکے ہیں جنہوں نے تعلیم کے مختلف طریقوں پر روشنی ڈالی ہے حتیٰ کہ اب یورپ اور امریکہ کی اعلیٰ یونیورسٹی ہاء میں تعلیمی سائینس کو وہی رُتبہ حاصل ہے اور اُسکے ماہران کو وہی درجہ ملتا ہے جو دیگر علوم اور اُنکے ماہران کو پہلے سے نصیب ہے۔

ہمکو واجب ہے کہ ہم اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھیں کہ پراچین برہمچریہ آشرم کے قواعد و اصول کس حد تک ہمارے درمیان پھر دوبارہ جاری ہو سکتے ہیں - اور کہاں تک ہم عقلمندی اور کامیابی سے اُن طریقہ ہائے تعلیم سے فایدہ اُٹھا سکتے ہیں جن کے مطابق ہمارے قدیم رشیوں و مُنیوں نے تعلیم پائی ؛ میرا یہ وشواش ہے کہ برہمچریہ آشرم کے بنیادی اصولوں کو اختیار کرتے ہوئے ہمیں فروعات نظرانداز کر دینے چاہئیں - اور ان قواعد کو زمانہ حال کی روشنی میں ترمیم کر لینا چاہئیے آریسماج میں ایک معقول گروہ ایسے بھائیوں کا ہے جن کا یہہ وشواس ہے کہ پراچین برہمچریہ آشرم کو تروتازہ کرنے میں ہی اُن کی سنتان اور اُن کی قوم اور اُنکے دھرم کا کلیان ہے - یہہ خیال صرف مہاتما پارٹی پر ہی محدود نہیں بلکہ دیانند کالج کی حامی پارٹی میں بھی بہت سے برگزیدہ بھائیوں کا یہہ خیال ہے - اس واسطے کوئی صاحب یہہ نہ سمجھیں کہ اس مضمون پر جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ محض پارٹی ضد اور تعصب اور عداوت سے ہے۔

اس جملہ معترضہ کو ہم فی الحال یہیں چھوڑ دیتے ہیں - غرض اس تمام بحث سے ہماری یہہ تھی کہ ہم اپنے ہم قوم بزرگوں کے دلوں پر یہہ نقش کریں کہ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی گذشتہ بزرگی وعظمت کے خیال میں موجودہ زمانہ کی ضروریات وتبدیل شدہ حالات کو نظرانداز کر دیں اور اپنے نصاب کو قایم کرتے ہوئے ایسی غلطیوں کے مرتکب ہوں جو ہم کو ترقی کے

راستہ پر مستحکم قدم اُٹھانے کے قابل بنانے کے بجائے تنزل کی طرف مایل کردیں ۔

پس میری رائے میں کسی تعلیمی اسکیم کی عمدگی کا پہلا ثبوت یہ ہونا چاہیے کہ جو لڑکا پورے طور پر اُس اسکیم کے مطابق تعلیم نہ پا سکے وہ اُسیقدر تعلیم سے جتنی کہ اُس نے حاصل کی کم وبیش اُن جملہ تعلیمی اغراض کو پورا کر سکے جنکا میں نے اوپر ذکر کیا۔ یا دوسرے لفظوں میں یہہ کہو کہ ہر ایک بچہ کی تعلیم کا بڑا حصہ ایسا ہو جس سے اُسکو ساتھ ہی ساتھ فوراً فایدہ پُہنچتا جاوے نہ کہ ایسا جس کے نامکمل رہ جانے کی صورت میں اُسکو کچھ فایدہ نہ ہو۔ ہر ایک تعلیمی اسکیم کے بنانے میں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ایک کثیر تعداد طالب علموں کی صرف تھوڑی سی ہی تعلیم حاصل کرسکیگی اور اخیر میں صرف چند لڑکے (۵ فیصدی بھی شاید نہ ہوں) ایسے رہ جاوینگے۔ جو اُس کُل نصاب کو پورا کرسکیں۔ پس ان ۵ لڑکوں کی خاطر ۹۵ کے نفع ونقصان کا خیال نہ رکھنا دانائی میں داخل نہیں اور نہ اسکیم بنانے والوں کی دور اندیشی کا ثبوت۔ وہ تعلیمی اسکیم قومی اسٹینڈرڈ سے ناقص ہے جس سے وہی فایدہ اُٹھا سکتے ہیں جو اخیر تک اُسکے مطابق تعلیم پاویں اور جس سے اُن لوگوں کو جو درمیان میں چھوڑنے پر مجبور ہوں سوائے تضیع اوقات اور بیجا صرف وقت کے اور کوئی فایدہ نہیں پہنچ سکتا۔

یہہ لحاظ ایسا ضروری ہے کہ اسکو ذرا زیادہ وضاحت سے بیان کرنا مناسب ہوگا۔

مثلاً ابتدائی تعلیم کا نصاب ایسا ہونا چاہیئے کہ جو اپنی ذات میں مکمل ہو۔ یعنی جس کا بڑا حصہ محض اگلے درجہ کیواسطے ہی نہ ہو بلکہ بذات خود اُن لوگوں کیواسطے دنیا کے کاروبار اور اخلاقی زندگی دونوں پہلوؤں سے مفید ہو جو اُتنی ہی تعلیم پا سکتے ہیں اور اُس سے آگے اپنی تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ ایسا ہی درمیانی درجہ اور ہائی سکول کی تعلیم کا نصاب ہونا چاہیئے۔ جو نصاب ایسا ہو جس سے صرف اُس صورت میں فایدہ ہو سکتا ہے کہ لڑکا اُسکو ۰ یا ۲ برس تک جاری رکھے اور ختم کرکے ہی چھوڑے وہ نصاب

آج کل کے تعلیمی ماہران کی نگاہوں میں پسندیدہ اور قابل اجرا نہیں ہے۔

جو لوگ قوم کی تعلیمی حالت کو بہتر کرنا چاہتے ہیں اُن کیواسطے یہ واجب نہیں کہ وہ صرف دو یا چار فیصدی طلباء کو عالم و فاضل بنانے کا بیڑا اُٹھاویں اور باقی ۹۶ یا ۹۸ فیصدی کا خیال بالکل چھوڑ دیں بلکہ بہترین طریقہ تعلیمی وہ ہے جس میں دو یا چار فیصدی کے عالم و فاضل بنانیکا بھی انتظام ہو۔ اور اُسکے ساتھ ہی ساتھ اُن ۹۶ و ۹۸ فیصدی کو بھی کافی و وافی فایدہ پہنچ سکے جو اس قدر مقدرت یا فرصت نہیں رکھتے کہ فضیلت کی پگڑی کے لئے پوری تعلیم پا سکیں۔ پس ہماری رائے میں قومی تعلیم کی اسکیم میں اس امر کا پورا لحاظ ہونا چاہیئے کہ جو لڑکا جس مرحلہ پر تعلیم چھوڑے وہ اس مرحلہ تک تعلیم نہ پائے ہوئے دیگر لڑکوں کے مقابلہ میں زندگی کی جدوجہد کے لئے زیادہ قابلیت رکھتا ہو۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ سررشتہ تعلیم کی اسکیم میں اس امر کا پورا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ گو یوروپ اور امریکن مدارس کی تعلیم میں اس امر کا زیادہ لحاظ رہتا ہے۔ ہمارے مدارس کی تعلیم میں اس قدر اصلاح درکار ہے کہ اُن لڑکوں کی ضروریات کا پورا لحاظ ہو جو پوری یا اعلےٰ درجہ کی تعلیم نہیں پا سکتے اور جن کو اپنی تعلیم کو نامکمل چھوڑ کر روزی کمانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس سوال پر کوئی نتیجہ خیز رائے قایم کرنے سے پہلے یہہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہمارے لڑکوں کے لئے کون سے ذریعے معاش کے اسوقت کھلے ہیں۔ یہہ تو ظاہر ہے کہ سرکاری ملازمت کے دروازے اب ہمارے لئے تنگ ہو گئے ہیں۔ جو ادنےٰ عہدے ہمارے واسطے کھلے ہیں اُن کیواسطے سرکاری مدارس میں کافی انتظام ہے اور اگر کچھ کمی ہے تو اُسکو خود گورنمنٹ وقتاً فوقتاً پورا کرتی رہتی ہے۔ سرکاری ملازمت کے حلقہ سے باہر ہمارے واسطے ذریعے معاش کے حسب ذیل ہیں:-

(الف) کاشتکاری

(ب) دستکاری

(ج) تجارت

(د) تعلیم

اول الذکر میں بھی ہم بہت کچھ گورنمنٹ وقت کے دست نگر ہیں۔ پچھلے چند سال میں گورنمنٹ وقت نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ ملکیت اراضی اب ویسی بے کھٹکا نہیں رہی جیسی کہ پہلے تھی۔ پہلے عام طور پر یہہ خیال تھا کہ جہاں جائداد سکنی کے جل جانے کا اندیشہ رہتا ہے روپیہ کے لُٹ جانے یا بنکوں کے دیوالہ نکل جانے کا اندیشہ رہتا ہے جائداد زرعی بہت محفوظ ہے۔ اور آفات ناگہانی وارضی وسماوی کے لئے گنجائش چھوڑ کر بھی روزی کافی مل جاتی ہے لیکن شاید زیادہ وضاحت سے یہہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ پچھلے چند سال کے طریق عمل سے گورنمنٹ نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ خواہ کسقدر اراضی زرعی آفات ارضی وسماوی سے بچی ہو مگر گورنمنٹ کی دست برد سے کسی طرح محفوظ نہیں۔ یہ تو پہلے سے معلوم تھا کہ گورنمنٹ وقتاً فوقتاً اپنا مالیہ تبدیل اور ایزاد کرتی رہتی ہے۔ حتی کہ کوئی شخص بلا کھٹکے اور بلا خوف ایزادی مالیہ ترقیات نہیں کر سکتا مگر قانون انتقال اراضی نے یہ بھی لوگوں پر ظاہر کر دیا ہے کہ گورنمنٹ وقت حقوق محفوظہ کی پرواہ نہ کر کے جس وقت چاہے حقوق متعلقہ اراضی زرعی میں خلل انداز ہوسکتی ہے اور اسکی مالیت کو کم کر سکتی ہے۔ گورنمنٹ نے ایک قانون مختص المقام کے پاس کرنے سے زمینداروں کی اراضیات کی مالیت کو گھٹا دیا۔ اب کسطرح اطمینان ہوسکتا ہے کہ کل کو گورنمنٹ دیگر اشخاص کے حقوق پر دست اندازی نہ کریگی۔ اب بھی ایسی افواہیں گرم ہیں کہ اس قسم کی تجاویز زیر بحث ہیں کہ ایک ہی موضع میں زراعت پیشہ وغیر زراعت پیشہ کاشتکاروں یعنی اشخاص از قسم ساہوکار وغیرہ میں ایسی تمیز کیجاوے

کہ جماعت موخر الذکر پر بمقابلہ جماعت اول الذکر کے محصول اراضی زیادہ ہو۔ پس ایسی صورت میں اب اراضیات پر زیادہ روپیہ لگانا اور اُن سے معقول آمدنی کی امید کرنا عبث ہے تاہم جو اصحاب مالک اراضیات ہیں یا جن کو اسطرف دلچسپی ہے ان کو واجب ہے کہ وہ اپنی اراضیات اور اُن کی پیداوار سے پورا فایدہ اُٹھانے کے لیے حسب ذیل مضامین پر اپنے بچوں کو تعلیم دینے کا انتظام کریں۔

(الف) اقسام اراضیات کی واقفیت اور اُن کو کم خرچ سے صاف و زیادہ پیداوار کے لایق بنانے کی ترکیب۔

(ب) آبپاشی کے مختلف ذریعے و مختلف طریقے

Agricultural Chemistry

(ج) اس امر کی واقفیت کہ کس قسم کی پیداوار کس اراضی میں زیادہ ہوسکتی ہے اور کس قسم کی پیداوار زیادہ قیمتی ہے اور جلد فروخت ہوسکتی ہے۔

(د) زراعتی و تجارتی جغرافیہ کی واقفیت جس سے یہ معلوم رہے کہ کس چیز کی کہاں ضرورت زیادہ ہے اور کس قسم کی پیداوار کہاں زیادہ ہوتی ہے اور کن حالات میں اور وہ پیداوار اپنی اراضیات میں کس طرح عمدہ ہوسکتی ہے اور کس طرح اُس کی کاشت بڑھائی جاسکتی ہے۔

مختلف قسم کے کھادوں کی واقفیت - اور اُن کو بنانے کا سامان - غرض وہ تمام مضامین جو لفظ زراعتی کیمسٹری یعنی

میں شامل ہیں۔

ملک کی زراعت میں ترقی ہونے سے گورنمنٹ کو بھی کئی طرح کا فایدہ ہے۔ اُن کی آمدنی مالیہ زیادہ ہوتی ہے - ریلوں کی آمدنی زیادہ ہوگی - جہازوں کو فایدہ ہوگا - انگلنڈ کی ضروریات بآسانی وارزاں پوری ہونگی - قحط کے اندیشے کم ہوجاوینگے وغیرہ وغیرہ اسلیئے اب گورنمنٹ بھی کسیقدر اسطرف مایل ہے - چنانچہ حال میں ہی

پوسا احاطہ بنگال میں گورنمنٹ نے زراعتی سائنس کی اعلیٰ تعلیم و تحقیقات کے لئے
ایک انسٹی ٹیوٹ کھولا ہے - اور دیہاتی مدارس کے تعلیمی نصاب میں بھی کچھ ایسی
تبدیلیاں کرنے کا منشاء ہے جس سے زراعت پیشہ حصۂ آبادی کے بچوں کو اپنی
اراضیات کے انتظام اور اپنے پیشہ میں مدد اور سہولیت ہو - مگر تاہم یہہ غرض
ایک صرف کثیر سے حاصل ہو سکتی ہے - اور گورنمنٹ کو اپنے جنگی اخراجات سے
و انگریزوں کی تنخواہوں سے اتنی بچت نہیں کہ جو وہ اس ضروری کام پر کافی روپیہ
خرچ کر سکیں -

اسلئے میری رائے میں اگر ہمارے بڑے بڑے مالکان اراضی و متمول زمیندار
صاحبان اپنے لڑکوں کو اس تعلیم کیواسطے امریکہ میں بھیجیں اور پھر اُن کی واپسی پر
اُن کو اپنی اراضیات کی ترقی پیداوار کے کام پر لگا دیں تو یہہ طریقہ خالی از سود نہ ہوگا -

(ب) دوسرا طریقہ معاش جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا - دستکاری و حرفت کاری ہے
اس کی دو قسمیں ہیں - اول وہ پیشے یا فنون جن میں زیادہ ہاتھ سے کام ہوتا ہے
اور معمولی اوزار کافی ہوتے ہیں مثلاً معمولی لوہارہ ترکھانہ - تصویر کشی وغیرہ وغیرہ -
دوئم وہ کام و پیشے جن کے لئے بڑی بڑی مشینوں کی ضرورت ہے -

یہہ ظاہر ہے کہ پہلی قسم کے پیشے پہلے سے اس دیش میں موجود ہیں اور ان
پیشہ وروں کی اس قدر آجکل ڈیمانڈ ہے کہ سپلائی کافی نہیں ہے - ان لوگوں
کی آمدنیاں معقول ہیں حالانکہ نہ اُنکے پاس عمدہ سے عمدہ زمانہ حال کے وہ اوزار ہیں
جن سے ہاتھ کی محنت کم ہو جاتی ہے اور وقت میں بھی بچت ہوتی ہے اور چیز بھی
صاف بنتی ہے اور نہ ان کو تعلیم کا کوئی موقعہ ہے جس سے وہ اپنے علم کو اور
اپنے اوزاروں کو upto date رکھ سکیں - نہ اُن کو پڑھنے لکھنے سے
اس قدر واقفیت ہے کہ وہ اپنی طیار کردہ اشیاء کو عمدہ سے عمدہ مارکٹ میں بھیج کر

اُن سے کافی فایدہ اُٹھا سکیں - اور raw material یعنی مصالح ایسے مقامات
سے منگواویں جہاں سے سستا اور بکفایت مل سکتا ہو -

تجربہ سے ظاہر ہوگیا ہے کہ جن تعلیم یافتہ اصحاب نے اس طرف توجہ کی اور اس قسم
کے کارخانے بنائے جن میں اس ملک کے پُرانے فیشن کے لوہار و ترکھان وغیرہ
کام کرتے ہیں اُن کو بھی ہر طرح سے فایدہ ہے - پس یہہ ظاہر ہے کہ اس طرف بھی فیلڈ
بہت ہے - گو افسوس ہے کہ ڈیمانڈ کے مطابق لوگوں کو ان کاموں کی طرف توجہ نہیں
دیانند کالج کی درزی کلاس نے بہت سے ذی حیثیت اعلےٰ ذاتوں کے ہندو لڑکوں
کو درزی کے قابل بنا دیا - اسیطرح ہندو ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ لاہور میں لوہارے و
ترکھانے کام کی تعلیم ہوتی ہے - میری رائے میں ابھی تک لوگوں کے یہہ ذہن نشین
نہیں ہوا کہ بجائے ۱۵ یا ۲۰ کے کلرک بنکر عمر ضایع کرتے کے جس میں ۹ یا ۱۰
گھنٹہ بعض اوقات کام کرنا پڑتا ہے یہہ بہتر ہے کہ انسان ایک روپیہ یا دو روپیہ
روز کا کاریگر بن جاوے جس میں علاوہ ذاتی فایدے کے دیش و قوم کو بھی بہت سا
فایدہ پہنچ سکتا ہے - میری رائے میں پنجاب کے بعض پرائیویٹ سکولوں کے سمبندھ
میں اگر درزی کلاسیں جاری کی جاویں تو شاید بلا زیادہ خرچ کے کارروائی ہوسکتی ہے
دیانند کالج کی درزی کلاس پر ۵۰ ماہوار خرچ آتا ہے جس میں سے صرف ۲۰
ماہوار اُستاد کو دیا جاتا ہے باقی کے وظایف دیئے جاتے ہیں - لیکن اگر بیرونجات
کے سکولوں کے ساتھ اسکا انتظام کر دیا جاوے تو صرف ۲۰ یا ۲۵ ماہوار سے
گذارہ ہو جاویگا - اسی طرح اگر بیرونجات کے سکول بعض مقامی مستریوں (لوہاروں
و ترکھانوں) سے اس امر کا انتظام کر لیں کہ اُنکے بعض لڑکے کچھہ دیر روزانہ اُن کے
کارخانوں میں جا کر کام سیکھیں تو شاید اس سے بھی بہت فایدہ ہو - سکولوں میں لوہار
و ترکھان کو رکھنے میں خرچ زیادہ ہوگا لیکن اگر یہہ انتظام کیا جاوے کہ جو

لڑکے لوہارے یا نزکھانے کا کام سیکھنا چاہتے ہیں اُن کو مدارس میں صرف دو تین گھنٹے تعلیم لکھنے و پڑھنے و دیگر مضامین مثلاً ڈرائینگ و کمرشیل جغرافیہ وغیرہ کی دیجاوے اور باقی وقت وہ کارخانوں میں صرف کریں تو شاید کارروائی بلا بہت سے خرچ کے ہو سکتی ہے ان مستریوں کو لالچ دینے کیواسطے شاید عصار یا عصار فی لڑکا ماہواری فیس دینا کافی ہوگا۔ یا اُن کے ساتھ یہہ انتظام ہو سکتا ہے کہ ایک خاص حد تک کام سیکھ جانے کی صورت میں اُن کو ایک خاص رقم بطور معاوضہ دی جاوے۔ مَیں پرائیویٹ سکولوں کی منتظم کمیٹیوں کو اسطرف متوجہ کرتا ہوں۔

اس مد کا دوسرا حصہ اُس اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے تعلق رکھتا ہے جس سے کارخانے بنانے یا چلانے آویں۔ یہہ ظاہر ہے کہ اس غرض کے لئے جو تعلیم ہندوستان میں ملتی ہے وہ کافی نہیں۔ اس تعلیم کیواسطے بہت بڑے بڑے سامان والے درسگاہوں کی ضرورت ہے۔ بمبئی کے ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا سرمایہ دس لاکھ سے زیادہ ہے مگر وہ بھی اس قسم کی عمدہ تعلیم نہیں دے سکتا۔ گورنمنٹ اس حصۂ تعلیم کی طرف زیادہ متوجہ و مائل نہیں۔ زبانی یا تحریری ہمدردی تو بہت مگر جب سوال خرچ کا آتا ہے تو تین کانے رہجاتے ہیں۔ اسلئے اس تعلیم کا بوجھ اور ذمہ داری اہل ملک پر ہی پڑ سکتی ہے اور لوگوں کو واجب ہے کہ اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ لڑکوں کو اپنے خرچ سے یا چندہ سے دیگر ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجیں۔ اب یہاں پر یہہ سوال پیدا ہوگا کہ کن ممالک میں یہ تعلیم بہتر حاصل ہو سکتی ہے۔ تجربہ نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اہل یوروپ اس قسم کی تعلیم دینے کے لئے ویسے کشادہ دل نہیں ہیں جیسے کہ لبرل تعلیم کے لئے۔ اسبارہ میں انگلستان خصوصاً سب سے زیادہ تنگ دل ہے اُن کا خیال ہے کہ ہندوستانیوں کو اس قسم کی تعلیم دینا گویا اپنے ذرایع آمدنی کے بند کرنا ہے۔ اہل امریکہ کی نسبت یہہ خیال ہے کہ گو وہ بھی اسبارہ میں فراخدل نہیں ہیں مگر اہل انگلنڈ

سے بدرجہا زیادہ اچھے ہیں۔ پس پھر لازمی ہوا کہ یوروپ کے دیگر ممالک میں یا جاپان میں جہاں جس قسم کی تعلیم مل سکتی ہو۔ وہاں طلباء بھیجے جاویں۔ مگر اس امر کے متعلق مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

(۱) طالب علموں کے انتخاب میں یہہ لحاظ رہے کہ صرف وہ طالب علم ممالک غیر میں بھیجنے چاہئیں جنہوں نے اپنی لائن میں یعنی جس لائن کے لئے وہ جانا چاہتے ہیں وہ کل تعلیم حاصل کرلی ہو جو اُس لائن میں ہندوستان میں مل سکتی ہو۔ جو طالب علم اپنی خاص لائن کے ابتدائی اصولوں سے ناآشنا ہو۔ جس نے ہندوستان میں اپنی لائن کے لئے کوئی خاص مذاق ظاہر نہیں کیا۔ جس نے ہندوستان میں اپنی زندگی سے یہ ثابت نہیں کیا کہ وہ اُس لائن کے لایق ہے اُسکو ممالک غیر میں بھیجنا ایسی آزمایش پر روپیہ خرچ کرنا ہے جس کا فایدہ موہوم ہے۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ ماتاپتا ذرا جلدی اس امر کا فیصلہ کیا کریں کہ اُنہوں نے اپنے لڑکوں کو کس لاین میں ڈالنا ہے اور پھر یہہ سوچیں کہ اُس لاین کے لیئے قابلیت پیدا کرنے کیواسطے ابتدائی سامان ہندوستان میں کہاں تک موجود ہیں اور پھر اُنسے فایدہ اُٹھاویں جب یہ ثابت ہو جاوے کہ لڑکے کا مذاق پختہ ہے اور اس نے ابتدائی اصول حاصل کرلئے ہیں اور اس میں یہہ لیاقت ہے کہ وہ اُس خاص مضمون میں مہارت یا کاملیت پیدا کر سکتا ہے تب اُسکو باہر بھیجا جاوے ورنہ نہیں۔

(۲) ان غیر ممالک کی زبانوں کی تعلیم کا انتظام اس ملک میں ہونا چاہیئے جہاں ایسے طالبعلموں کا بھیجنا مقصود ہو۔ مثلاً جاپانی۔ فرانسیسی یا جرمنی۔ تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ جو لڑکے کسی غیر ملک میں بغیر اُس ملک کی زبان جاننے کے جاتے ہیں وہ بہت سا وقت وہاں کی زبان سیکھنے میں خرچ کر دیتے ہیں اور اُس وقت و صرف کثیر سے پورا فایدہ نہیں اُٹھا سکتے ۔

(۳) جو لڑکے ممالک غیر میں جانے کے لئے منتخب ہوں وہ بدن سے مضبوط۔

اور جفاکش اور محنت کے عادی ہونے چاہئیں۔ کمزور۔ آرام طلب۔ عیش طلب کم چور۔ کم ذہن لڑکوں کو ممالک غیر میں بھیجنے سے پورا فایدہ نہیں ہوسکتا۔ لڑکے وہ بھیجنے چاہئیں جو دقتوں کو عبور کرسکیں۔ تکالیف برداشت کرسکیں اور غیر لوگوں کی بدسلوکی سے دل برداشتہ نہ ہوں اور جن میں اس قدر لیاقت ہو کہ بھیڑ پڑی پر بھی نہ گھبراویں اور اپنے واسطے راستہ نکال لیں۔ جن کو علم کی لگن ہو اور جو اس قدر استقلال رکھتے ہوں کہ اگر پیچھے سے خرچ بند ہوگیا تب بھی کسی نہ کسی طرح گذارہ کرینگے۔ اس بارہ میں اہل جاپان سے سبق سیکھنا چاہیئے۔ ہزاروں غریب جاپانی جہازوں پر نوکری کرکے غیر ممالک میں چلے جاتے ہیں اور وہاں محنت و مزدوری سے گذارہ بھی کرتے ہیں اور تعلیم بھی حاصل کرسکتے ہیں ؛

امریکہ میں بہت سے ایسے جاپانی نوجوان ہیں جو دن میں مزدوری کرتے ہیں۔ رات کو تعلیم پاتے ہیں۔ یا اسکے برعکس جن کو جاروب کشی و دیگر کسی قسم کی خدمت گذاری سے عار نہیں۔

دوسرا سوال شاید یہہ ہوگا کہ ممالک غیر میں طلباء کو بھیجنے کے لئے روپیہ کہاں سے آوے۔ اسکا حل تین طرح پر ہوسکتا ہے۔

اول۔ یہہ کہ جو لوگ صاحب مقدرت ہیں وہ اپنے بچوں یا رشتہ داروں کو بھیجیں۔

دوئم۔ چندہ چندے سے لڑکے بھیجے جاویں جیسے کہ ابھی حال میں اہل پنجاب نے کیا ہے۔

سوئم۔ جو کمپنیاں و کارخانہ جات اس ملک میں اسوقت جاری ہیں وہ بھی اس مد میں دستاویزات واکریں۔ سالانہ منافع میں سے ایک خاص رقم یا فیصدی اس کام کے لئے علیحدہ کریں خواہ واحد واحد خواہ دوسروں کے ساتھ

ملکہ طلباء کو اپنے خرچ سے باہر بھیجیں۔

میری رائے میں دیانند کالج مینیجنگ کمیٹی کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ ان سوالات کے متعلق پورے پورے حالات دریافت کر کے اس مضمون کی لٹریچر اپنے دفتر میں جمع کرے تاکہ جو صاحب چاہیں اُس سے فایدہ اُٹھا سکیں۔

اُن ذرایع معاش میں سے جو تیسرا ذریعہ میں نے بیان کیا ہے وہ تجارت ہے اور میں اس مضمون کی طرف خاص طور پر اپنے اہل وطن کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ میں نے کلکتہ۔ بمبئی۔ مدراس۔ کولمبو۔ کراچی ان مقامات کی سیر کرنے سے یہہ معلوم کیا کہ اس مد میں بڑی گنجایش ہے۔ یہہ ظاہر ہے کہ اسوقت ہندوستانی تجارت سے زیادہ فایدہ غیر لوگ اُٹھاتے ہیں اور ہندوستانی بہت کم۔ اسکے اسباب جو میری سمجھ میں آئے وہ حسب ذیل ہیں:-

(اول) ہندوستانیوں میں اکٹھے ہو کر کام کرنے کا مادہ نہیں۔ اُن کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں۔ اسلیئے وہ یوروپین کمپنیوں کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یوروپین لوگ اپنی طاقتوں اور اپنے سرمایہ کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور اس لئے کامیابی سے اُن جماعتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو اگرچہ تجارت کے لئے بہت زیادہ لایق ہیں مگر جن میں متفقہ اور متحدہ کام کرنے کی عادت نہیں۔

(دوئم) یہہ کہ ہندوستانی تجارت تاحال ایسی جماعتوں کے ہاتھ میں رہی ہے جو محض ہندی خواں تھے اور جن کو غیر زبانوں کا کچھ علم نہیں تھا۔ اور جنہوں نے ماڈرن تعلیم بالکل حاصل نہیں کی۔ محض سکولی تعلیم بھی اس نقص کو رفع نہ کر سکے گی بلکہ ضروری ہے کہ تجارت پیشہ جماعتوں کو غیر ممالک کے حالات اور اُن کی ضروریوں تک رسائی ہو اور اُن کو غیر ممالک کی پیداوار اور اُن کی منڈیوں کا حال معلوم رہے۔ اُن کو انٹرنیشنل اصول ہائے تجارت۔ ساہوکارہ۔ [illegible] وغیرہ

سے کما حقہ واقفیت ہو۔ کیا تعجب کا مقام نہیں کہ سینکڑوں یوروپین سوداگر محض اِس واقفیت عام کے سبب ہندوستان اور ہندوستانیوں سے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ کما لیں اور ہندوستانی انکے دستِ نگر رہیں۔

سوئم۔ ہندوستانی تجّار آزادانہ طور پر غیر ممالک کا سفر نہیں کرتے اور اسلئے اُن کو غیر ممالک کے پورے حالات سے کما حقہ واقفیت نہیں ہو سکتی۔

اِس ذریعہ معاش کو تعلیمیافتہ ہندوستانیوں کے لئے وا کرنے کیواسطے ضروری ہے کہ ہندوستانی لیڈر اِن تمام نقایص کو رفع کریں۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ شکایت اول کا یک بیک رفع ہونا ناممکن ہے۔ بہت سے مقامات میں چالاک۔ خود غرض منیجر ان دڈائرکٹران نے اپنی بددیانتی سے لوگوں کو جائنٹ سٹاک کے اصول پر کام کرنے سے روک دیا۔ تاہم ہوا کا رُخ اُسی طرف ہے اور ہم بڑی خوشی سے یہہ نوٹس کرتے ہیں کہ باوجود اِن دل شکن کارروائیوں کے جنکا ہم نے ذکر کیا لوگوں کو کمپنیوں کے ذریعہ کام کرنیکا شوق پیدا ہوتا جاتا ہے۔

چہارم۔ ذریعہ معاش کا تعلیم کا کام ہے۔ میرے خیال میں ہمارے ملک میں معلموں کی بہت ضرورت ہے اور ڈیمانڈ ہے۔ اور جو لوگ فطرتاً یا سبھاؤ سے تجارت یا دستکاری کی طرف نہیں جاسکتے اُن کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو سرکار کے ہاتھ بیچنے کی بجاے اپنی قوم کی تعلیم میں حصہ لیں۔ خواہ اُن کو اس کے لئے قربانی بھی کرنی پڑے۔ میری ذاتی رائے تو یہہ ہے کہ جو شخص ڈیوٹی کے خیال سے تعلیم کے کام میں حصّہ لیتا ہے اور دولت کمانے اور دُنیا میں خوشحال ہونے کے دیگر ذرایع کو چھوڑ کر غریبانہ مدرسی کی زندگی پر قناعت کرتا ہے وہ قوم پر اور مُلک پر بہت بڑا احسان کرتا ہے اور اور ہم پر واجب ہے کہ ایسے نیک سیرت اُستادوں کی تہ دل سے قدر کریں اور اُن کے ممنون احسان ہوں۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو وہ لوگ نوجوانوں کے واسطے جائے پرستش

ہیں جو آنریری طور پر یا محض گذارہ لیکر تعلیم کے کام پر اپنی زندگیاں قربان کرتے
ہیں۔ سچ مچ ایسے پاک اُستادوں پر قوم کو جتنا فخر ہو اُتنا بجا ہے۔ وہی
حقیقت میں قوم کی زندگی کی نشانی ہیں اور وہی اس گئے گذرے مُلک کے مایۂ ناز
ہیں۔ تعلیم کا میدان وسیع ہے اور ایک بڑی کثیر تعداد شاکر و قانع نوجوانوں کی
اس کام میں کھپ سکتی ہے۔ صرف ضرورت یہ ہے کہ قوم اُستادوں کی مناسب قدرومنزلت
کر سکے۔ یہ خیال لوگوں کے دل سے دور کر دینا چاہیے۔ کہ پیشۂ مدرسی عام طور پر
نا قابلیت کا ثبوت ہے یا کہ یہہ پیشہ کسی طرح سے حقیر یا بُرا ہے۔ ہماری قوم
میں اُستادوں کو ہمیشہ سے نہایت عزت سے دیکھا گیا اور اسوقت اگر مدرسی کا
کام لوگوں کی نگاہ میں وہ عزت نہیں پاتا جو کسی زمانہ میں اسکو حاصل تھی تو یہہ
انگریزی تعلیم کا اثر ہے۔ ہمارے لئے ازبس مبارک اور مفید ہوگا اگر ہم اس ناپاک
اور نامبارک خیال کو دور کر دیں اور اپنے بچوں پر یہہ بات منقش کر دیں کہ ہر ایک
اُستاد قابل عزت ہے۔ نہ صرف شاگردوں کا فرض ہے کہ اپنے اُستادوں کا
ادب کریں اور مناسب طور پر اُن کی عزت کریں بلکہ سب انسانوں کا فرض ہے کہ
ہر ایک اُستاد کی عزت کریں اور اُستادوں کو قوم کا پُشت پناہ۔ قوم کی پاکیزگی
کا محافظ۔ قوم کی بزرگی کا ضامن۔ قوم کی دانائی کا مخزن۔ قوم کی شرافت کا چشمہ۔
سمجھیں۔ جو قوم اپنے اُستادوں کی مناسب عزت نہیں کرتی وہ کبھی امید نہیں
کر سکتی کہ اُسکے لایق آدمی اُستادی کا کام کریں اور جس قوم کے اُستاد لایق
نہ ہونگے۔ جو قوم اُستادی کے لئے اپنے عالی سے عالی دماغ اور فراخ سے
فراخ دل والے آدمی حاصل نہیں کر سکتی وہ کبھی دُنیا میں بزرگ۔ شایستہ
دولتمند۔ خوشحال۔ نیک نہیں ہو سکتی ۞

جسمانی تعلیم

مندرجہ بالا صفحات میں میں نے اپنے خیال میں اپنی قوم کی تعلیمی ضروریات میں سے صرف ایک امر پر بحث کی ہے جس کو میں نے شمار میں نمبر ۲ پر رکھا تھا اب میں مختصراً ملحوظات نمبر ۱ و نمبر ۳ و نمبر ۴ کا ذکر کرتا ہوں۔

نمبر ۱ پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر شخص ذی عقل اب اس امر کی ضرورت تسلیم کرتا ہے کہ جس تعلیم میں بدنی صحت و جسمانی ترقی کا خیال نہیں رکھا جاتا وہ تعلیم ناقص اور ناکامل ہے۔ یوروپین اُستادوں کے تجربات نے یہہ امر اچھی طرح ثابت کر دکھایا ہے کہ جس لڑکے کو کافی و وافی موقعے کھیل کود اور ورزش جسمانی کے نہیں ملتے اُسکی دماغی ترقی بھی پورا نشو و نما نہیں پاتی۔ حتیٰ کہ یوروپین محقق اس امر پہ زور دیتے ہیں کہ جن لڑکوں کو دماغی تعلیم کے علاوہ کھیل کود کے موقعے وافر ملتے ہیں وہ اپنے اُن ہم عمر اور ہم رتبہ لڑکوں کے مقابلہ میں جنکا زیادہ زور محض دماغی کام پر خرچ ہوتا ہے زیادہ لایق ہوتے ہیں۔ انسانی دماغ کی ترقی کے لئے جسم کا صحیح و سالم رہنا۔ پوتر و خالص ہوا۔ پانی و خوراک کا ملنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے کہ عمدہ اخلاقی اور عمدہ دماغی تعلیم کا۔ پس جو ہندوستانی اپنے بچوں سے بیجا دماغی کام لیتے ہیں اور کافی طور پہ اُن کی خوراک و کھیل کود و ورزش کا انتظام نہیں کرتے وہ نہ صرف اپنے لڑکوں کی کمزوری بدنی و عدم صحت کے ذمہ وار ہیں بلکہ وہ اس امر

کے بھی ذمہ دار ہیں کہ اُن کی اولاد کے دماغ کافی کشادگی اور فراخی حاصل نہیں کرتے۔ اسلئے ہمارا فرض ہے کہ ہر ایک مدرسہ کے ساتھ میں کھیل کود اور ورزش کا کافی سامان مہیا کریں اور اسباب کی پوری احتیاط کریں کہ لڑکوں کو کافی وقت کھیل کود و ورزش کے لئے ملے۔ نہیں بلکہ ہر ایک طالب علم کو مجبور کیا جاوے کہ وہ کافی وقت کھیل کود و ورزش میں صرف کرے۔ جسم و بدن سے کمزور شخص قوم کے لئے و خاندان و سمبندھیوں کے لئے ایک بوجھ ہے اور ملک کے لئے باعث خطر۔ پس ہر ایک شخص کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ ذاتی۔ خاندانی۔ قومی و ملکی خوشحالی و بزرگی کے لئے جسمانی مضبوطی و صحت اُتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ دماغی لیاقت و علمی قابلیت۔ کمزور و بیمار انسان کتنا ہی لایق و قابل کیوں نہ ہو۔ نہ خود زندگی کا حظ اُٹھا سکتا ہے نہ دوسروں کو اُٹھانے دیتا ہے۔ نہ خود اپنے فرائض کو پورے طور پر بجا لا سکتا ہے۔ نہ دوسروں کو بجا لانے دیتا ہے۔ وہ ترقی کے راستہ میں "بریک" کا کام دیتا ہے۔ پس ہم ہر ایک ماتا پتا سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم میں اس امر کا پورا لحاظ رکھیں۔ ہم ساتھ ہی مدارس و بورڈنگ ہوسوں و کالجوں کے منتظموں اور مہتمموں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھی اس ضروری امر سے غفلت نہ کریں۔ ہر ایک سکول و کالج کے ساتھ اور اگر ہر ایک کے ساتھ ممکن نہ ہو تو چند سکولوں و کالجوں کے مجموعہ کے ساتھ ایک ایک مشیر کار طبی ہونا چاہیئے جس کا یہ کام ہو کہ وقتاً فوقتاً لڑکوں کی آنکھوں اور دیگر اعضائے بدنی کا ملاحظہ کر کے مہتمان تعلیمی اور ماتا پتا کے پاس اپنی رپورٹ ارسال کرے اور اُن ضرورتوں کو بتاوے جو بچے کی صحت کو قایم رکھنے کیواسطے ضروری ہے۔ کتنے لڑکے ہیں جو اپنے ماتا پتا کی بے پرواہی اور غفلت سے اور اپنی سرد مہری اور بے احتیاطی سے آنکھوں کی بینائی۔ کانوں

کی شنوائی کو جواب دے بیٹھتے ہیں۔ کمریں کبڑی اور ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ پاؤں اور ہاتھ کمزور اور لاغر رہ جاتے ہیں۔ ٹانگیں سوکھ جاتی ہیں۔ اعضائے تناسل بیکار ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بعض اوقات کثرت ورزش و بے موقعہ و بے محل ورزش بھی موجب نقصان کا ہو جاتی ہے۔ اسلئے بھی مشیر کار طبی کے وقتاً فوقتاً مشورہ کی ضرورت ہے۔ ہر ایک ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل کا فرض ہونا چاہیئے کہ اس مضمون پر جو خاص لٹریچر ہے اُسکو پڑھے اور یورپین محققان کی تحقیقاتوں و تجربات سے اسبارہ میں فائدہ اُٹھا کر اپنے شاگردوں اور طلباء کی کافی نگرانی کرے۔

ماتا پتا لڑکوں کی صحت بنی کی بالکل پرواہ نہ کرتے ہوئے ننھے ننھے بچوں پر اس قدر تعلیمی بوجھ ڈالدیتے ہیں جس کے نقصان سے لڑکے عمر بھر سسکتے رہتے ہیں ہم کو بہت سے ایسے تعلیم یافتہ - اپنی دانست میں ذی ہوش - ذی رتبہ ہندوستانیوں سے شرف نیاز حاصل ہے جن کو سب سے زیادہ اس امر کا فکر رہتا ہے کہ لڑکا جلدی سے امتحان پاس کرلے۔ ہم نے بہت سے ماتا پتا کو فخر سے یہ کہتے سُنا کہ میرے لڑکے نے ۱۲ برس میں انٹرینس یا ۱۶ برس میں بی۔ اے پاس کرلیا۔ ہماری اپنی رائے ناقص میں ایسے والدین اپنے لڑکوں کے جانی دشمن ہیں۔ اور وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنے لڑکوں کی عمریں گھٹاتے ہیں۔ بہت سوں کو تو یہ صدمہ اٹھانا پڑتا ہے کہ لڑکا امتحان پاس کرنے کے بعد ماتا پتا کو اپنی کوتاہ اندیشی کی متواتر یاد دہانی کے لئے ایک بیوہ چھوڑ جاتا ہے۔ ہمارے اہل ملک کو معلوم نہیں کہ بعض اعلےٰ درجہ کے طبی ماہران کی یہہ رائے ہے کہ جس عمر میں لڑکے کے بدن کے مختلف حصے۔ رگ و پٹھے نشوونما پاتے ہیں اُس عمر میں اگر اسپر دماغی بوجھ ڈالا جاوے اور اُسکو ایسے موقعے نہ دیئے جاویں جس سے اُسکا جسم آزادی سے بڑھ سکے تو پھر عمر بھر لڑکا کبھی اُن جسمانی کمیوں اور کمزوریوں کو پورا نہیں کرسکتا۔ اسلئے ہمارے اہل ملک پر واجب ہے کہ اسبارہ میں زیادہ توجہ دیں ٭

مذہبی تعلیم

[از رسالہ "زمانہ" بابت جولائی و اگست سنہ ۱۹۰۷ء]

ہندوستان میں بہت کم تعلیم یافتہ اصحاب ہونگے جنہوں نے پروفیسر رشی رام پرنجپی کا نام نامی نہ سنا ہو - آپ پہلے ہندوستانی ہیں جنہوں نے اہل فرنگ کے مادر وطن میں فضیلت کی اعلےٰ ترین دستار حاصل کی جو نہ ان سے پہلے اور نہ انکے بعد آجتک کسی دوسرے کو نصیب ہوئی۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ اعلےٰ درجے کے ذہین ہندوستانی طالبعلموں کو اپنی ذہانت اور لیاقت دکھانے کے کافی موقعے نہیں ملتے - بہت سے بیچارے تو کبھی اسکول اور کالج کی شکل ہی نہیں دیکھنے پاتے - اور روٹی کی تلاش میں گمنام زندگیاں گذار کر اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں - ان سے زیادہ خوش قسمت وہ ہیں جو اتفاق زمانہ یا اپنے ماں باپ کی فراخ حوصلگی یا ترقی معاش کی امید سے کسی اسکول کی گود میں جاتے تو ہیں مگر اس قدر عرصے کے لئے نہیں کہ اُن کی ذہانت ولیاقت کو چمکنے و نام حاصل کرنیکا کافی موقع ملے - میں اپنی یاد سے کئی ایسے طالبعلموں کے نام بتا سکتا ہوں جنہوں نے مڈل یا ہائی اسکولوں میں عمدہ طور پر اعلےٰ درجے کی قابلیت و ذکاوت کا ثبوت دیا - مگر جو غربت اور افلاس کے باعث اپنی تعلیم کو آگے جاری نہیں رکھ سکتے - اور اس وجہ سے اُن دینی و دنیوی فوائد سے محروم رہگئے جو ان کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے ضرور میسر آتے - مگر ایسے خوش قسمت تو بہت ہی کم ہیں - جن کو اپنے ملک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی غیر ملک کی یونیورسٹی میں اپنی تعلیم جاری رکھنے کا موقع ملے ورنہ نہ معلوم کتنے پرنجپی نکل آتے جو اپنی ذہانت اور لیاقت کو چمکا کر اپنی قوم اور اپنے ملک کیلئے باعث اعزاز وافتخار ہوتے - خدا معلوم کتنے پرنجپی اس افلاس زدہ اور تعلیم سے بے بہرہ بد قسمت ملک کی روڑیوں* میں جنم لیتے پرورش پاتے اور اپنے دن گذار کر رخصت ہوجاتے ہیں - نہ معلوم کتنے پرنجپی

* پنجاب کے دیہات میں آبادی کے نزدیک کھاد و کوڑے کے انبار

ہماری گذرگاہوں کی تعفن آمیز اور بدبو دار آب وہوا کے شکار ہو کر اپنے ملک و قوم کو اپنی لیاقت اور قابلیت کے فوائد سے محروم کر جاتے ہیں - نہ معلوم کتنے پرنجپی اس ملک کے سوشیل طریق تمدن اور پولیٹیکل غلامی کا نشانہ ہو کر اپنے ماں باپ و بیوی بچے کی پرورش کے لئے ایسے وسایل روزگار اختیار کرتے ہیں جن میں ان کی قابلیت و ذکاوت اُبھرنے ہی نہیں پاتی اندریں حالات ایک ہی پرنجپی ہمارے واسطے غنیمت ہے - مگر ہمارے دلوں میں جو عزت پروفیسر پرنجپی کی ہے - وہ صرف ان کی اس اعلےٰ درجے کی فضیلت و علمیت کے سبب ہی نہیں - جس کے باعث اُنہوں نے انگریزی نگاہوں میں ہندوستان اور اہل ہندوستان کی عزت و توقیر کو قابل قدر حد تک زیادہ کر دیا - بلکہ اس سے بھی زیادہ احسان جو اُنہوں نے ہم پر کیا ہے کہ وہ یہ ہے باوجود اس قابلیت و فضیلت کے اُنہوں نے اپنے تئیں اپنے اہل ملک و اہل قوم کی تعلیمی ترقی پر قربان کر دیا ہے - اُنہوں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ابھی تک پراچین آریاؤں کی سنتان میں وہ اعلےٰ درجے کا تیاگ موجود ہے - جس کے لئے یہ قوم ہمیشہ سے شہرۂ آفاق رہی ہے - اور اس گئے گذرے ہوئے زمانے میں بھی ایسے ہندو موجود ہیں جو اپنے اہل قوم و اہل ملک کی خاطر اپنی دنیاوی بہبودی - جاہ و حشمت منصب و دولت اور عیش و آرام کے تمام وسایل سے دست بردار ہو سکتے ہیں - پروفیسر پرنجپی نے پونا کے اُس دار العلوم میں تعلیم پائی تھی جس کو چند اہل ملک نے نہایت شوق - خلوص دلی اور قومی ہمدردی سے قایم کیا تھا - اور جس کو اُنہوں نے اپنی لیاقتوں و قربانیوں سے ایک اعلےٰ درجے کے کالج کی حیثیت تک پہنچا دیا ہے - اس کالج کے قایم ہونے کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ پونا کے چند فنا فی القوم بزرگواروں نے اپنی تمام دنیاوی امیدوں پر پانی پھیر کر اپنے اہل قوم کی اعلےٰ تعلیم کے لئے اس دار العلوم کو قایم کیا -

اُنہوں نے باہم یکدگر یہ عہد کیا کہ کالج کے سرمایہ سے یا فیس سے یا اس چندے سے جو اسکے لئے جمع کیا جاوے - وہ محض ۷۵ روپے فی کس گذارے کے طور پر لینگے اور بیس سال

تک اسی تنخواہ پر اس کالج میں وہ تعلیم دیتے رہینگے۔ پنڈت بال گنگادھر تلک اور پروفیسر گوکھلے کالج کے بانیوں میں سے ہیں۔ اور بھی کئی برگزیدہ فاضل وقتاً فوقتاً کالج سٹاف پر کام کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں پروفیسر پرنجپی نے ڈگری پانے کے بعد اپنے پیارے کالج کے ساتھ یہ عہد کیا کہ وہ بھی تعلیم پانے کے بعد پونا کالج میں مذکورہ بالا تنخواہ پر بیس برس کے لئے کام کرینگے۔ جس وقت انگلستان کی قدیم یونیورسٹی کیمبرج نے ان کو سینئر رینگلر ہونے کا قابل قدر اعزاز بخشا اسوقت بہت سے ہندوستانی و انگریز صلاحکار ایسے نکل آئے۔ جنہوں نے مسٹر پرنجپی کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے اقرار سے پھر جائیں۔ اور دُنیا میں کوئی دوسرا کام اختیار کر کے مزید نام و عزت پانے کا سامان پیدا کریں۔ مگر سچے آریوں کی طرح مسٹر پرنجپی نے بزعم خود عقلمند صلاحکاروں کے مشورہ پر کاربند ہونے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے عہد کے بموجب ہندوستان میں واپس آکر فرگوسن کالج پونا میں بحیثیت پروفیسر کام کرنے لگے۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ ہماری تمہید بہت لمبی ہو گئی۔ اور ناظرین کہیں گھبرا نہ جائیں کہ ہم نے اب تک نفس مضمون کو چھیڑا بھی نہیں۔ لیکن اس طولانی تمہید کے لئے ہمارا عذر صرف یہ ہے کہ ہم اصل مضمون پر بحث کرنے سے قبل یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ کیوں اہل ملک نے پرنجپی جیسے ایک نوجوان کی ایک تحریر کو ایسی عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھا۔ کہ ایک قریب قریب فیصل شدہ مضمون پر از سر نو بحث شروع کر دی۔ علاوہ ازیں چونکہ ہم کو پروفیسر پرنجپی کی رائے سے اس بارے میں اختلاف ہے اس لئے ہم نے یہ بیان کر دینا ضروری سمجھا۔ کہ باوجود اس اختلاف کے ہم ان کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں۔ اور ہمارے دل میں ان کی عزت کیسی ہے۔ اس امر میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ کہ پروفیسر پرنجپی جیسے فنا فی القوم نے جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت نیک نیتی سے یہ سمجھ کر لکھا ہے کہ ایسے ضروری معاملہ میں اپنی رائے کو دبا رکھنا یا خاموش رہنا گناہ ہے۔ پس ایسے شخص کی تحریر اس قابل ہے کہ خواہ ہم کو اسکے

نتایج سے اختلاف ہو یا اتفاق مگر ہم اس پر بڑی احتیاط سے غور کریں۔ اور پورے غور و فکر کے بعد اپنی رائے قایم کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ حال میں زیادہ وقعت اس مضمون کو مسز اینی بیسنٹ کے خیالات سے حاصل ہوئی ہے۔ مسز اینی بیسنٹ نے سنٹرل ہندو کالج کی بنیاد ڈالکر اُسکی تعلیمی اسکیم میں مذہبی تعلیم کو داخل کیا اور کالج مذکور کے لئے فنڈ حاصل کرنے کے واسطے مذہبی تعلیم کی ضرورت پر جگہ بجگہ لکچر بھی دیئے۔ مسز اینی بیسنٹ نے جو اسکیم مذہبی تعلیم کی شایع کی ہے۔ اُسنے بہت سے فہمیدہ باوقعت عالم و فاضل ہندوؤں کو جو اپنی قوم اور ملک سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ اس تشویش میں ڈال دیا ہے۔ کہ مبادا ہماری قومی ترقی کی کشتی واپسی کا رُخ نہ لے۔ اور انگریزی تعلیم کی بدولت جن مذہبی کمزوریوں سے ہم نے رہائی پائی تھی یا پاتے جاتے تھے۔ اس میں ہم پھر نہ گرفتار ہو جاویں *

سنٹرل ہندو کالج کے اسکیم کی کامیابی سے کہیں ہم پھر انہیں کے شکار ہوکر اپنی ترقی کی اُمیدوں کو خیرباد نہ کردیں۔ جن لوگوں نے مسز اینی بیسنٹ کے خیالات پر غور کیا ہے۔ اور سنٹرل ہندو کالج کے حالات سُنے ہیں۔ یا جنہیں اُن برگزیدہ اہل ہنود کے خیالات جاننے کا موقع ملا ہے۔ جو مسز اینی بیسنٹ کے ہمخیال ہوکر انکی اسکیم کے موید و مددگار رہیں۔ وہ لوگ خلوص سے یہ نہیں کہ سکتے کہ یہ اندیشہ جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ محض بے بنیاد ہے۔ کسی شخص کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ ہندوؤں کی مذہبی ضعیف الاعتقادی انکے مذہبی توہمات انکے کمزور اعتقادات ان کی بربادی اور تنزل کا باعث ہوئے ہیں۔ بحیثیت قومی ہندو دُنیا کے کسی حصے کے باشندگان سے دلیری۔ بہادری۔ جانبازی میں ذکاوت۔ ذہانت۔ فراست و زیرکی میں۔ اقتدار۔ قربانی اور نفس کشی و تیاگ میں۔ خیالات اور عمل کی نیکی میں کم نہیں ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے۔ کہ ان کی مذہبی کمزوریوں نے ان کے تمام صفات کو ایسا دبا دیا کہ ایک ہزار برس سے زیادہ

سے، طوق غلامی ان کے گلے پہنا کر ان کو طرح طرح کی ذلت وتباہی کا مرکز بنا دیا۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آیا کہ دنیا میں ان کا کوئی مداح اور ہمدرد نہ رہا۔ اور ان کے نام سے بھی نحوست اور بے غیرتی کی بو آنے لگی۔ کون شخص ہے جو اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ جو قدر و منزلت اسوقت دنیا میں ہندو دھرم و ہندو فلاسفی کی ہو رہی ہے۔ اور جو آثار زندگی کے اسوقت ہندوؤں میں دکھلائی دے رہے ہیں۔ یہ انگریزی تعلیم کا نتیجہ نہیں ہیں۔ اور ہندوستان میں انگریزی تعلیم اور مغربی خیالات کے رواج نے ہندو قوم کو دوبارہ زندگی نہیں بخشی۔ ہمارے حکام نے ہم پر اگر کوئی احسان کیا تو یہ کیا کہ ہم کو انگریزی زبان و انگریزی علم ادب اور مغربی علوم و فنون کی تعلیم دی۔ جس سے ہم کو پھر اپنی موجودہ و گذشتہ قومی حالت کا علم ہوا۔ اور ہمارے دل میں یہہ خیال جوشزن ہونے لگا کہ ہم بھی بڑے بزرگوں کی اولاد ہیں۔ ہم کو بھی قومی حیثیت سے ترقی کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہندوؤں میں اس خیال نے ابھی تک اتنی ترقی نہیں کی۔ اور ایسی جگہ نہیں پکڑی کہ ہندوؤں کے سچے بہی خواہوں۔ ہند کے سچے ہمدردوں کے دلوں سے ر Reaction (یعنی ترقی معکوس کا اندیشہ دور ہو جائے۔ ہندوؤں کیواسطے واقعی بہت غور و فکر کا مقام ہے کہ وہ اپنے دلوں میں اس امر کا تصفیہ کریں۔ کہ جن توہمات باطلہ و کمزور خیالات وضعیف اعتقادات و بیہودہ رسوم و رواج کو انہوں نے علم و عقل کی روشنی میں ترک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور جن کا وجود انکی قدیم متبرک کتابوں میں نہیں ہے۔ اور جن کے وجود میں آنے کی تاریخ گویا اُن کے تنزل کی ابتدائی تاریخ ہے۔ اُن کو کیا وہ محض اسوجہ سے پھر سینہ سے لگا لینگے۔ کہ اب اُن کو ایک جادو بیان انگریزی لیڈی نے ایسا لباس پہنا دیا۔ جو ظاہراً بہت خوش اور عالیشان نظر آتا ہے اور جس سے اُن کو اپنی قومی بزرگی پر بیجا فخر اور بیہودہ ناز کرنیکا موقع ملتا ہے۔ کیا ہماری قومی بہبودی اسی میں

ہے اور قومی غیرت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ ہمارے خودغرض مذہبی رہنماؤں نے بعض اوقات غلطی سے اور بعض اوقات خودغرضی۔ لالچ اور طمع سے جو جو بیہودہ رسوم۔ خیالات اور توہمات کو ہمارے مذہبی و سوشل سسٹم میں داخل کر دیا ہے۔ اُن کے لئے ہم علم اور روشنی کے زمانہ میں لمبے لمبے سائنٹفک نقاب یا لفافے تلاش کریں جن میں لپیٹ کر اُن کی بدنمائی۔ بیہودگی اور نقصان رسانی ہماری نظروں سے چھپ جائے اور ہم کو یہ فخر کرنے کا موقع ملے کہ ہماری مذہبی کمزوریاں و سوشل بیہودگیاں بھی سائنٹفک ہیں۔ کم از کم ہماری رائے تو یہ ہے کہ ضعیف الاعتقادی۔ کمزوری اور توہمات میں چھپی ہوئی علمیت و فضیلت اور سربستہ زیرکی و دانائی تلاش کرنا نہ صرف بیہودہ۔ بلکہ سخت نقصان رسان ہے۔ توبہ توبہ کر کے ہم نے ان توہمات کی کڑی زنجیروں کو کاٹنے کا ارادہ کیا تھا کہ بھوت پریت کی طرح اُنہوں نے پھر ہم کو مقید کر لیا اور نچانے لگیں۔ حتیٰ کہ شاید اب اُن سے رہائی کے لئے ہم کو کسی ایسے جادوگر کی ضرورت ہے جو کسی قسم کی تائید غیبی۔ یا کشف و کرامات کے ذریعے کوشش کرے۔ اور ہمیں اس خوفناک آسیب سے بچائے۔ اس حالت میں کچھ تعجب نہیں۔ کہ اس قسم کے خیالات نے مسٹر پرنجپی جیسے سچے خیرخواہ ملک و نیک نیت ریفارمر کو یہ خیال ظاہر کرنے پر آمادہ کیا کہ مذہبی تعلیم کا خیال ہی اس خرابی کی جڑ ہے۔ اور اس لئے اگر اس خیال ہی کو دور کر دینگے تو شاید اس خرابی کا احتمال اور اندیشہ جاتا رہیگا۔ دُنیا کی تاریخ میں یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ مذہب کے تاریک پہلو سے تنگ آئے ہوئے اصحاب نے عالم مایوسی میں یہ کہا ہو۔ کہ دُنیا میں مذہب ہی سب فساد کی جڑ ہے۔ اور اس لئے مذہب کا خیال دُنیا سے اُٹھا دینے میں ہی دُنیا کی اور بنی نوع انسان کی بہتری ہے۔ یہ خیالات بہت دفعہ ظاہر ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات ان کا ظہور بڑے زور

سے اور ایسے برگزیدہ اصحاب کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ کہ کچھ مدت تک دُنیا اُن سے موئثر رہتی ہے۔ اور اُسی اثر میں کوشش کرتی ہے۔ کہ مذہب کو خارج از دُنیا کر دیا جاوے۔ مگر انسان کی فطرت میں مذہب کا خیال طبعی ہے۔ اور اس لئے قانون قدرت کے خلاف ہے۔ کہ یہ خیال دُنیا سے اُٹھ جاوے۔ یورپ اور امریکہ میں قریباً سو سال تک مذہب و سائنس میں جنگ وجدل رہی۔ ایک وقت تو ایسا آ گیا تھا کہ مذہب سائنس کے نیچے دب گیا اور یہ اندیشہ ہو گیا کہ یہہ اب پھر اُبھرنے نہ پائیگا۔ مگر یورپ اور امریکہ کے معاملات کو نظر دوربین سے دیکھنے والے اب پھر ایسی رائے پر آ پہنچے ہیں کہ مذہب کا خیال اب پھر زور سے سر اُٹھا رہا ہے۔ سائنس سے شکست پانا تو درکنار۔ وہ سائنس کو مغلوب کر کے اسکو اپنی بلند پروازی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ یا یوں کہو کہ سائنس سے لونڈی کا کام لے رہا ہے۔ جو لوگ تازہ تازہ مغربی رسالجات و تصنیفات کو پڑھتے رہتے ہیں۔ وہ ہمارے اس خیال کی تائید کر سکتے ہیں۔ صرف نمونے کے طور پر ہم اسوقت دو شہادتوں کا حوالہ درج کرتے ہیں۔ یعنی مسٹر بنجمن کڈ کی کتاب موسومہ سوشل ایولیوشن اور لارڈ کیلون (جو شاہ سائنس دانان زمانہ حال کہے جاتے ہیں) کا لکچر جس کی مختصر رپورٹ رسالہ بیسویں صدی میں شایع ہوئی تھی۔ پس اگر مسٹر پرنجپی کا مضمون مذہب سے اسی قسم کی مایوسی کا نتیجہ ہوتا۔ جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا تو شائد ہمیں اسپر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت نہ ہوتی مسٹر پرنجپی کے مضمون میں کوئی صریح شہادت اس قسم کی نہیں ہے۔ گو کھینچ کھانچ کر ہم اس سے یہ مطلب بھی نکال سکتے ہیں۔ ظاہرا تو ان کا موجودہ حملہ مذہبی تعلیم پر ہے۔ جس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسکولوں اور کالجوں میں مذہبی تعلیم کے خلاف ہیں۔ ان کے مضمون کا لب لباب یہ ہے:۔

(۱) زمانہ حال کا میلان طبع یہہ ہے کہ مذہبی تعلیم کو بالکل بند کر دیا جاسکے۔

فرانس اور جرمنی کی اعلےٰ درسگاہوں میں کسی قسم کی کوئی مذہبی تعلیم نہیں دیجاتی۔ انگلستان
کی یونیورسیٹیوں میں کسی قسم کا مذہبی امتحان نہیں ہے (Test) کیمبرج اور آکسفورڈ
کے کالجوں میں بیشک ان طلباء کے لئے جو چرچ انگلستان سے تعلق رکھتے ہیں۔
گرجا کی حاضری لازمی ہے۔ لیکن اگر کوئی نابالغ طالب علم اپنے والد سے
یہ سارٹیفکٹ حاصل کرے کہ اسکو گرجا میں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں تو وہ اس
حاضری سے مستثنیٰ ہوجاتا ہے۔

پس اگر مغرب کی تہذیب یافتہ ممالک کا میلان طبع یہ ہے تو قدرتی طور پر یہ سوال
پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہمارے ملک میں کیوں بار بار مذہبی تعلیم پر اس قدر زور دیا جاتا ہے۔
ہماری کانگرسوں اور کانفرنسوں میں بالاتفاق اس امر پر اصرار کیا جاتا ہے۔ حال میں
جو مدراس سوشل کانفرنس ہوئی۔ اس میں بھی اس امر پر زور دیا گیا۔ سال گذشتہ
کی بمبئی پراونشل کانفرنس میں ایک رزیولیوشن اسکے حق میں پاس ہوا۔ ظاہرا اس ترقی
معکوس کی طرف لیجانیوالے خیال کے وجوہات یہ ہیں۔

اول اقوام شرقی کسی درجے تک مغربی قوموں کی نسبت روحانیت کی زیادہ پرواہ
کرتی ہیں۔ ہماری تاریخ میں جس قدر بڑی بڑی تحریکیں ہوئی ہیں ان سب کی تہ میں مذہبی خیالات
تھے۔ اسلئے کافی غور کے بعد یہ نتیجہ نکال لیا جاتا ہے کہ مذہبی اصلاح سے ہی پھر
قومیت کا خیال ہم میں زور پائیگا۔

لیکن ہندوستانی تاریخ کے زمانہائے گذشتہ اور حال میں ایک بڑا بھاری
فرق ہے جس کو نظر انداز کیا جاتا ہے کہ مرہٹوں اور سکھوں کی نیم قومی
نیم مذہبی تحریکوں کی کامیابی کا باعث یہ تھا کہ وہ ایک ہی قسم کے لوگوں میں تھیں

Among homogenous people

اب ہم کو ایک ایسی تحریک کی ضرورت ہے جس کے حلقے میں ہندو، مسلمان۔

پارسی - سکھ - عیسائی - سب شامل ہوجاویں ...... اس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجایش نہیں کہ ہمارے درمیان اگر قومیت کا خیال پیدا ہونا ہے تو یہ مدعا مذہب کی امداد سے حاصل نہ ہوگا - ہم لوگوں پر مذہب کی وہی تاثیر ہوتی ہے جو ایک سانڈھ پر سُرخ کپڑے کے دیکھنے سے - اصل بات تو یہ ہے کہ غرض مندرجہ بالا کو حاصل کرنے کے لیئے ہمارے لیڈرز پر واجب ہے کہ مذہب کو بالکل بالائے طاق رکھ دیں - کیونکہ ان کو یاد رہے - کہ اگر مذہبی خیال ایک دفعہ چل نکلا تو اس زور سے ان کے پیچھے پڑے گا کہ پھر وہ بھی اسکی قباحتوں سے بھری ہوئی رفتار ترقی کو روکنے کے لیئے بے بس ہوجاوینگے - لیکن اسکے علاوہ ایک اور زبردست دلیل مذہبی تعلیم کے حق میں پیش کی جاتی ہے - اور وہ یہ ہے - ہمارے وہ بھائی جن کے دل و دماغ میں مغربی خیالات بھر جاتے ہیں - عموماً اپنے باپ دادا کے خیالات متعلقہ اخلاق کو قابل پیروی نہیں سمجھتے مگر ایسا ہونا قدرتی ہے - اگر ایک بچہ بڑا ہوکر گھٹنوں کے بل رینگنا نہیں چاہتا ہے - بلکہ اپنی ٹانگوں سے کام لیکر چلنا شروع کردیتا ہے تو اسکا علاج یہ نہیں ہے - کہ اسکی ٹانگیں باندھ دی جاویں اور اسکو چلنے سے بند کیا جاوے - اپنے نوجوانوں کو اس امر پر مجبور کرنا کہ وہ پُرانے طریقوں پر قائم رہیں ٹھیک نہیں - بہتر ہے کہ ان کے دماغ کو بڑھنے دیا جاوے - زمانۂ حال کا اثر نوجوانوں کی طبیعت پر اتنے مختلف وسایل اور طریقوں سے پڑتا ہے کہ یہ امید کرنا کہ چند منٹ کی مذہبی تعلیم سے وہ اثر زایل ہوجائیگا بیہودہ ہے - اسکا نتیجہ سوا اسکے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ نوجوانوں میں مکاری کی ترقی ہو -

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر بنرجی کے مضمون سے مزید حوالے دینے سے پہلے ہم مندرجہ بالا طول طویل اقتباس پر بحث کریں - گو ہم نے اصل مضمون کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں کیا - لیکن ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ راقم مضمون کے خیالات کا لب لباب

عموماً انہیں کے الفاظ کا لفظی ترجمہ کرکے دیا جاوے۔ تاکہ ہمارے ناظرین اُس سے پورا حظ اُٹھا سکیں۔ اول تو ہم اپنے ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسٹر برنجپی نے یورپ کے مذہبی میلان طبعی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اگرچہ ہم کو ولایت کی سیر کا موقع نہیں ملا ہے اور اسلئے اس بارہ میں ظاہرا مسٹر برنجپی کا بیان ہمارے بیان سے زیادہ وقعت رکھتا ہو۔ لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یورپ کے مختلف ممالک کی تعلیمی رپورٹیں اور خود یورپین فضلاء کی تصانیف اس بیان کی تائید نہیں کرتیں اگر مسٹر برنجپی کے بیان کا یہ مطلب ہے کہ بمقابلہ سابق یورپ میں اب مذہبی تعلیم پر کم زور دیا جاتا ہے۔ تو ہم کو اسکو تسلیم کرنے میں ذرا بھی انکار نہیں۔ یا یہ کہ بمقابلہ دینی تعلیم کے دنیوی تعلیم پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تب بھی ہم کو انکار نہیں۔ لیکن اگر اس تحریر کے یہ معنے ہیں کہ عموماً یورپ میں مذہبی تعلیم سے لاپرواہی ہوتی جاتی ہے۔ یا یہ کہ یورپ میں ہندوستان سے بھی کم مذہبی تعلیم ہے تو ہم نہایت زور سے مسٹر برنجپی کے اس بیان کی صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ہمارے ناظرین کو یہ معلوم رہے کہ ۵۰ برس سے پہلے یورپ میں کُل تعلیم مذہبی واعظوں یعنی پادریوں کے ہاتھ میں تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبا کا بہت سا وقت مذہبی کتب کے مطالعہ و مذہبی رسوم کے ادا کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ اس پچاس سال میں یورپ نے یہ انتظام کیا کہ مذہبی تعلیم کو دو جماعتوں میں منقسم کر دیا۔ ایک فریق اُن طالبعلموں کا ہے جو مذہبی تلقین و تعلیم کو اپنی زندگی کا اصل کام بنانا چاہتے ہیں۔ اور مذہبی کام میں ہی زندگی بسر کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور مذہبی مطالعہ کو زندگی کا مدعا سمجھتے اور اُسی کو حصول روزگار و معاش کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یہہ وہ جماعت ہے جن میں سے وہ کثیر تعداد پادریوں کی نکلتی ہے۔ جو ایشیا۔ افریقہ۔

امریکہ و دیگر حصص یورپ میں مذہب عیسوی کا پرچار کرتے اور غیر ممالک میں یورپ کا چندہ لے جاتے ہیں - اُن پادری لوگوں کی تعداد جو سوائے یورپ کے دیگر ممالک میں عیسائی مذہب کے پھیلانے کا کام کرتے ہیں شاید ہزاروں سے زیادہ تک پہنچتی ہے - اور شاید یورپ میں بذاتہ اُن کی تعداد اور بھی زیادہ ہے - پس ان لاکھوں مذہبی پیشواؤں کی موجودگی میں اور اُن کے کام کی وسعت و تعداد کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا کہ یورپ مذہبی تعلیم سے لاپرواہ ہے - واقعات سے چشم پوشی کرنا ہے دوسرا طریقہ یورپ میں مذہبی تعلیم کا اُن بچوں پر حاوی ہے - جن کی زندگی کا مدعا مذہبی کام نہیں ہے اور جن کو مذہب کی عام تعلیم اس لئے دی جاتی ہے کہ مذہبی تعلیم کا ہونا ایک نیک اور مفید زندگی بسر کرنے کیواسطے ضروری سمجھا جاتا ہے - اگر بیسویں صدی میں بھی آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹی طلبا پر گرجا کی حاضری ضروری ہے سوائے اس کے کہ کوئی بچہ خاص طور پر اپنے ولی کی درخواست پر مستثنیٰ کیا جاوے تو اس سے یہہ بحث کرنا کہ ہندوستان میں مذہبی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے - ہم کو بہت معقول نظر نہیں آتا - اصل بات یہہ ہے کہ جسوقت یورپ میں کل سلسلہ تعلیم پادریوں کے ہاتھ میں تھا - اُس وقت ہندوستان میں تعلیم کا نام و نشان موجود نہ تھا - جس وقت یورپ نے پادریوں کے ہاتھ سے سلسلۂ تعلیم نکال کر دنیوی تعلیم پر زیادہ زور دینے کے لئے مذہبی تعلیم کی بندشوں و پابندیوں کو کم کیا اُس وقت ہندوستان میں مذہبی تعلیم کا نام و نشان بھی نہ تھا - اب اہل ہندوستان پر یہ روشنی پڑی ہے کہ پچھلی صدی میں جو تعلیم اہل ہندوستان کو ملتی رہی وہ Godless تھی یا یوں کہو کہ مذہب کے خیال سے ایسی مبرا تھی کہ اس سے ہندوستانیوں کی مذہبی و

اخلاقی حالت کو نقصان پہنچا۔ اس لئے ہندوستان کی مختلف مذہبی جماعتوں کو مذہبی
تعلیم کا خیال پیدا ہُوا۔ یعنی اگر یورپ میں مذہبی تعلیم کمی پر ہے تو ہندوستان میں
اس کا آغاز ہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں مذہب عیسوی کل
محکوم و حاکم کا مذہب تھا۔ اور اسی لئے وہاں کے سرکاری مدارس میں مذہب
عیسوی کی تعلیم ہوتی تھی۔ مگر چونکہ مذہب عیسوی کے مختلف فرقے ہوگئے اس
واسطے یہ جھگڑا روز افزوں ترقی پکڑتا گیا۔ کہ سرکاری مدارس میں کون سے فرقے کے
عقاید کی تعلیم دی جائے۔ اس لئے یورپ میں یہ کوشش ہونے لگی کہ سرکاری مدارس
میں مذہبی تعلیم ان چند عام مذہبی مسایل و اخلاقی نصیحتوں تک محدود ہو جاوے جن
پر کسی عیسائی کو خواہ کسی فرقے کا ہو اعتراض نہ ہو۔ اس پر بھی ان لوگوں کا
اعتراض رفع نہ ہُوا۔ جو مذہب عیسائی کو بھی جواب دے چکے تھے یا جن کو
منظور نہ تھا کہ ان کے بچوں کو کسی قسم کی مذہبی تعلیم دی جائے یہ اعتراض اُسی جد
وجہد کی بنیاد ہے جو اسوقت انگلستان میں ہو رہی ہے۔ لیکن اگر یورپ
کا میلان طبع اس طرف ہے کہ سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم کم کر دی جائے
یا ان لوگوں کے بچوں کو مذہبی تعلیم سے مستثنیٰ کر دیا جاوے جو اپنے بچوں کو مذہبی
تعلیم نہیں دینا چاہتے تو ہندوستان کے سرکاری مدارس میں تو مذہبی تعلیم
کا نام و نشان ہی نہیں۔ کم کرنے کا کیا ذکر۔ سوائے پادری صاحبان کے کبھی بھی
کسی ہندوستانی اہل الرائے نے یہ نہیں کہا کہ ہندوستان کے سرکاری مدارس
میں مذہبی تعلیم جاری ہو جانی چاہیئے۔ ہندوستان میں انگریزی تعلیم کے ساتھ
مذہبی تعلیم کا خیال تو محض چند سال سے پیدا ہُوا ہے اور ہماری یہ رائے ہے
کہ اس خیال کا پیدا ہونا بہت ضروری و لازمی تھا۔ ہندوستان میں حاکم و محکوم غیر قوم
و غیر کُف و غیر ملت کے ہیں۔ حاکموں کا مذہب عیسائی ہے اور رعایا میں سے

کثیر تعداد ہندو ومسلمان مذہب کے پیرو ہیں۔ حاکموں کے اہل مذہب وہ ہیں جو
شروع عملداری سے اس ملک میں اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے پیروی کرتے
رہے ہیں۔ پس نتیجہ یہ ہؤا کہ ایک طرف تو سرکاری مدارس میں محض دنیوی تعلیم
ملنے لگی جس کا یہ اثر لازمی تھا کہ ہندو مسلمانوں کے مروجہ اعتقادات
کمزور ہوجاویں۔ اور دوسری طرف پادریوں کے مدارس میں دین عیسوی کی تعلیم
ہونے لگی اس کے علاوہ جبکہ ہندو سوئے ہوئے تھے۔ اپنے اصلی مذہب سے
بالکل ناواقف توہمات و کمزور اعتقادات کا شکار ہو رہے تھے۔ تو ایسے وقت
میں جیتے جاگتے عیسائی مذہب کی تعلیم کا اثر یہ ہؤا کہ لاکھوں ہندو عیسائی
ہوگئے۔ اور قومیت کا سوال جس کی خاطر اب مسٹر پرنجپی مذہبی تعلیم کو چھوڑ دینے
کی اپیل کرتے ہیں اور بھی زیادہ مشکل ہوگیا۔ افسوس ہے کہ مسٹر پرنجپی جیسا
بیدار مغز جسوقت ہندوؤں کے دل پر یہ نقش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ
قومیت کے خیال کو مضبوط کرنے کے لئے ان کو مذہبی تعلیم چھوڑ دینی چاہیئے
اُس وقت وہ یہ بھول جاتا ہے کہ ہندوؤں کی طرف سے مذہبی تعلیم چھوڑ دینے
سے یہ سوال حل نہیں ہوتا۔ اگر کسی طرح یہ ممکن ہوتا کہ اس دیش میں سے عیسائی
مذہب کا چرچا اور اُس کی تلقین بند ہوسکتی اور ساتھ ہی مسلمان صاحبان
بھی ہندوؤں کو مسلمان کرنے کا کام بند کر دیتے تو شاید ہم مصلحتاً مسٹر پرنجپی
کے خیال پر صاد کرنے کے لیے آمادہ ہوجاتے مگر حالات موجودہ میں جبکہ
پادریوں کے پرچار اور اُن کی تعلیم کو یا اہل اسلام صاحبان کے مذہبی وعظ کو
بند کرنا مسٹر پرنجپی کے یا کسی شخص کے احاطہ سے باہر ہے تو ہندوؤں کو یہ صلاح
دینا کہ وہ اپنے بچوں کی مذہبی تعلیم سے دست بردار ہوجائیں نہ صرف معقول
نہیں ہے۔ بلکہ ہندو دین کے لئے سخت نقصان دِہ اور مضر ہے۔ ہم کو حیرانی ہے

کہ جس دلیل پر مسٹر برنچپی ہم کو مذہبی تعلیم سے دست بردار ہونے کی صلاح دیتے ہیں
وہی دلیل ہم کو اپنے اہل قوم وہم مذہبوں کے لئے تعلیم کا انتظام کرنے پر
مجبور کرتی ہے۔ مسٹر برنچپی کے ارشاد کی تعمیل کا صرف ایک ہی نتیجہ ہوسکتا
ہے اور وہ یہ ہے کہ روز بروز ہندوؤں کی تعداد اس ملک میں سے کم ہوتی
جائے۔ حتےٰ کہ وہ نیست و نابود ہوجائیں یا اس قدر کمزور ہوجائیں کہ گنتی کے
قابل نہ رہیں۔ ہندو اگر مذہبی تعلیم سے غافل ہونگے تو اُسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ
عیسائی صاحبان کی تعداد بہت بڑھ جائیگی جس سے جو موجودہ حالت ہے وہ اور
بھی زیادہ سخت ہوجائیگی۔ ہماری یہ رائے ہے کہ نہ صرف ہندوؤں کی بہبودی اس
میں ہے کہ اُن کی تعداد میں قابل لحاظ کمی نہ ہو بلکہ ملک کی پولیٹیکل بہبودی
کا مدار بھی اس پر ہے کہ ہندوؤں کی تعداد کم نہ ہونے پائے۔ بلکہ اگر
ممکن ہوسکے تو زیادہ ہو۔ ہمارے نزدیک یہ امر ایسا صاف اور بدیہی ہے
کہ ہم کو یہ دیکھکر بہت تعجب ہوتا ہے کہ بہت سے برگزیدہ ہندو اس
رائے کی مخالفت کرتے ہیں اور درحالیکہ وہ عیسائی اور مسلمان صاحبان سے
پرچار کو کم کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ اور جو کوشش عیسائی و مسلمان واعظان
دین اہل ہنود کو اپنے اپنے مذہب میں لانے کی کرتے ہیں اُن کی کمی کا اُن
کو کوئی فکر و تردد نہیں۔ اُن کو ایسی ہندو سبھاؤں وسماجوں کی کارروائی
پر سخت اعتراض ہے۔ جو ہندوؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور ان کو
عیسائی اور مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔ ہم مسٹر برنچپی اور ان کے ہم خیال
دوستوں سے سوال کرتے ہیں کہ آیا تمام عمر میں اُنھوں نے کوئی کوشش
اسبارے میں کی کہ بھولے بھالے اَن پڑھ اور ناواقف ہندو عیسائیوں کے
پھندوں میں نہ پھنسیں۔ اور عیسائی اس ملک کے لوگوں میں مزید مذہبی اختلافات

کے پیدا کرنے سے باز رکھے جائیں - شاید اسکا جواب یہ ہو کہ حالات موجودہ میں ایسا کرنا ان کے اختیار سے باہر ہے - اگر یہ درست ہے - تو پھر کیا مسٹر پرنجپی اور اُن کے ہمخیال اپنے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تمام ہندو یا کثیر تعداد ہندوؤں کی عیسائی ہوجائے یا اگر ان کی خواہشیں اس حد تک نہیں پہنچیں تو کیا وہ اس امر کی بالکل پرواہ نہیں کرتے کہ ہندو ہندو رہیں یا عیسائی ہوجائیں. ہم یہ کہنے سے نہیں رُک سکتے کہ اگر حقیقت میں ان کے خیالات ایسے ہیں جو ہم نے اوپر درج کئے ہیں - تو وہ اپنے آبائی مذہب اور اپنے اہل مذہب اور اہل قوم کے ساتھ وفاداری کو کام میں نہیں لاتے اور سچی محبت اُن کے واسطے نہیں رکھتے - ورنہ وہ حالات موجودہ میں عام طور پر کبھی مذہبی تعلیم کے برخلاف اپنی آواز نہ بلند کرتے وہ جانتے ہیں کہ عیسائی و مسلمان صاحبان پر ان کی آواز کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اور ان کی آواز صرف ہندوؤں کو کمزور و ڈھیلا کرنے میں کام آتی ہے - ہندوؤں کا قومی و مذہبی آرگنیزیشن (Organization) آگے ہی سے ایسا ڈھیلا و کمزور ہے کہ اس قسم کی جملہ کوششیں ان کے لئے حد سے زیادہ مضر و نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں -

اقتباس مندرجہ بالا میں مسٹر پرنجپی کی آخری دلایل ایسے گول گول اور غیر واضح ہیں کہ ہم کو اُنکے اصل منشاء کا صاف پتہ نہیں چلتا - اگر اسکے یہ معنی ہیں کہ ہندو سوسائٹی کے اخلاقی معیار (Standard) کو یورپ کے اخلاقی معیار (Standard) سے وہی نسبت ہے جو ایک بچے کو ایک مضبوط نوجوان سے ہوتی ہے - تو ہمیں اس رائے کے تسلیم کرنے میں عذر ہے - بیشک ہمیں اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی احتراز نہیں کہ ہماری موجودہ اخلاقی زندگی کیا شخصی اور کیا قومی مجموعی طور پر یورپ کی اخلاقی زندگی سے کم درجے کی ہے -

گو ہم میں بہت سے ایسے آدمی ہیں جو ذاتی طور پر اپنے اخلاقی حالت میں یورپ کے نیک سے نیک آدمی سے پیچھے نہیں گو ہمارے بعض سوشل رسوم یورپین سوسایٹی کے رسم ورواج سے بہتر زیادہ مفید اور زیادہ تر اخلاق کے موید ہیں۔ تاہم ہمیں اس امر سے انکار نہیں کہ مجموعی حیثیت سے اہل یورپ ضرور ہم سے بدرجہا بہتر ہیں ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ حاکم ہوتے اور ہم محکوم - ہماری پولیٹیکل ماتحتی بذات خود اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ ہماری اخلاقی وسوشل حالت اس درجہ کی نہیں جس درجے اہل یورپ کی ہے۔ ہمیں اس امر سے بھی انکار نہیں کہ اپنے اخلاقی وسوشل حالت میں اصلاح کرنے کے لئے اہل یورپ کی زندگی سے اُن کے طریق عمل کا مطالعہ اور اُن خیالات کی جانچ پڑتال سے فایدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اگر مسٹر پرنچپ صاحب کا یہ خیال ہے کہ ہمارے مذہب کا اخلاقی سٹینڈرڈ یورپین سٹینڈرڈ سے ایسا کم درجہ کا ہے۔ کہ اسکو موخر الذکر کے سامنے وہی نسبت ہے۔ جو کہ ایک بچہ کو بالغ اور سن رسیدہ آدمی سے ہوتی ہے۔ تو ہمیں نہ صرف اُس کے تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ بلکہ ہم مسٹر پرنچپ کی مذہبی ناواقفیت پر تعجب اور حیرت ہے۔ گو ہم بھی نہیں چاہتے کہ نوجوانوں پر اس قدر مذہبی سوشل قیود کی پابندی ڈالی جائے۔ جو انکے دل ودماغ کی آزادانہ ترقی کے راستہ میں حارج ہو۔ تاہم ہم اس خیال کی ہرگز تائید نہیں کرتے۔ کہ نوجوانونکو ہر قسم کی مذہبی وسوشل پابندی سے مبرا کرکے بالکل آزاد کر دیا جائے۔ اگر ہر ایک بچہ کو اپنے جسم و دل ودماغ کی بہبودی کے لئے قیود وپابندی وتربیت کی ضرورت ہے۔ اگر اسکولوں وکالجوں میں طلبا کے اخلاق وانکے اطوار کو درست کرنے و درست رکھنے کے لئے نگرانی اور Discipline کی ضرورت ہے۔ تو ہمارا دلی یقین ہے۔ کہ اُن کو بدخلقی بدتہذیبی سے بچانے کے

لیئے مذہبی تعلیم و مذہبی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ اپنے بچوں کی مذہبی و سوشل ڈور کو بالکل کھلا چھوڑ دینا اور اُن کو یہ اجازت دینا کہ وہ جس طرح چاہیں بنا سوچے سمجھے دوسروں کی نقل اُتارا کریں۔ اپنے آپ کو قابل مضحکہ بنائیں۔ اور اپنی سوسائٹی کے امن اور اُس کی ترتیب میں خلل انداز ہو کر باعث ننگ قوم ہوں۔ کوئی عقلمندانہ حرکت نہ ہوگی۔ بیشک یہ قابل غور ہے کہ ہمارا مذہبی و تمدنی نظام معاشرت ایسا بودار۔ گندہ و کمزور و ضعیف الاعتقادی سے پر ہے۔ کہ اگر ایسے وقت میں ذرا زیادہ آزادی دے دیجائے۔ تو شاید اس سے بہتر ہو کہ وہ اس سڑی ہوئی زنجیر میں ہی پڑے ہوئے چلے جائیں۔ اور ترقی کے زینے پر چڑھ ہی نہ سکیں لیکن اب وہ وقت چلا گیا۔ جبکہ اصل ہندو مذہب کی خوبیاں موجودہ رسم و رواج کے بوجھ کے نیچے ایسی دبی ہوئی تھیں کہ دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ اب قدیم ویدوکت ہندو مذہب کی اعلےٰ روحانی و اخلاقی و سوشل صداقتیں ہمارے سامنے کھل گئی ہیں اور ہمارے لئے یہ موقع ہے۔ کہ ہم ان تمام کمزور۔ گندہ و بوسیدہ اعتقادات کو جو ہمارے تنزل کا باعث ہوئے ہیں۔ الوداع کر کے اپنے بچوں کو اُن اعلےٰ صداقتوں میں تعلیم و تربیت دیں۔ جس سے ہماری اولاد اپنے مذہب پر بھی قائم رہے۔ اور ان کی اخلاقی و سوشل تربیت نہ صرف ان کی نیشنل ترقی کے مانع نہ ہو۔ بلکہ ان کے موید ہو۔ اُن کو آزادی سے یہ موقع دیا جائے۔ کہ وہ اپنے دھرم کی اعلےٰ سے اعلےٰ اور عمدہ سے عمدہ تعلیم اور تلقین کو غیر مذاہب کی اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم کے ساتھ مقابلہ کر سکیں اور نیز اپنے اخلاق و سوشل اسٹینڈرڈ (یعنی معیار) کو مغربی سائنس و علوم کی روشنی میں مطالعہ کر سکیں نہ کہ ہم اپنے بچوں کو اپنے مذہب سے محض لاعلم اور ناواقف رکھ کر اُن کو ناواجب طریقے پر اپنے مذہب سے اور اپنی قوم سے متنفر

ہوتے کا موقع دیں۔ جس سے نہ اُن کے دلوں میں اپنی قوم کی عزت ہو۔
نہ اُن کے لٹریچر کی۔ ایسا کرنے کا عملی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ہندو نوجوانوں کو
اُن کے بیش قیمت تبرکات سے صرف بے پرواہ ہی نہیں بلکہ محروم کردیں گے
جن کے بغیر نہ ہندو دھرم ہندو دھرم ہے۔ اور نہ کوئی ہندو ہندو کہلا
سکتا ہے۔ نہیں نہیں جن کے بغیر ہم ہندوستانی ہی نہیں کہلا سکتے۔ کیا
کوئی صاحب یہ اُمید کرتے ہیں کہ گذشتہ ہندوستان کے کل اخلاقی و روحانی
عملی و سوشل ترقی کو جواب دیکر ہم ہندوستانی رہ سکتے ہیں۔ پروفیسر پرنجپی کا
یہ خیال کہ بغیر اُن پیچیدہ رسومات و کرم کانڈ کے جو ہندو مذہب کا جزو ہیں۔ ہم اپنے
بچوں کو مذہبی تعلیم نہیں دے سکتے بالکل بے بنیاد ہے۔ ہمارے قدیم شاستروں
میں بھی برہمچاریوں کے لئے بہت تھوڑا کرم کانڈ مقرر ہے اور زمانہ حال میں ہم
اُسکو بغیر کسی طرح کے وسوسہ کے اور کم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ حالات کے مطابق۔
و جدید ضروریات کے موافق اس طرح کی تبدیلیاں کر لینی عین ہمارے شاستروں کی
سپرٹ کے مطابق ہیں۔

پس ہماری رائے میں طلباء پر صرف اس قدر لازمی ہونا چاہیئے۔ کہ وہ
دو وقت وید منتروں کے دوارہ جن کے معنی اُن کو آتے ہوں سندھیا کریں۔ اور
اُسکے علاوہ اُن کو اپنے مذہبی کتب میں سے تیار کردہ مذہبی ٹیکسٹ بک پڑھائی
جائیں۔ جس سے اُن کو ہندو ازم کے موٹے موٹے عقاید سے واقفیت ہو جائے
پروفیسر پرنجپی کا یہ کہنا کہ اخلاق سکھانے کے لئے مذہب کی ضرورت نہیں گویا اصل
میں مذہب سے انکار کرنا ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہب
سے بالکل مُنکر ہیں۔ اگر ہمارا یہ قیاس درست ہے تو ہماری رائے میں اُنسے
مذہبی تعلیم پر بحث کرنا لاحاصل ہے۔ اور مذہبی تعلیم کے بارے میں اُن کی رائے کی

کوئی وقعت نہیں یہ سوال کہ آیا مذہب سے علیحدہ اخلاق کوئی چیز ہے۔ جو اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہو سکے اور اپنی ہستی کو دُنیا میں قایم رکھ سکے بہت پرُانا سوال ہے۔ اگرچہ اس کا قاطع جواب یہ ہے کہ مذہب کے بغیر نہ دنیا کا کبھی گذارہ ہوا ہے اور نہ ہوگا مذہب کا جو زور دُنیا میں اسوقت ہے اور پیچھے رہا ہے۔ اُس سے اس خیال کی خاطر خواہ تردید ہوتی ہے۔ مذہب انسان کی فطرت اور اخلاق کی بنیاد ہے۔ اس سے علیحدہ اخلاق ایک ایسا شجر ہے جس کو پھل نہیں لگتا بلکہ سچ پوچھو تو بغیر مذہب کے اخلاق مستقل دیرپا۔ قابل بھروسہ اور عالمگیر ہو ہی نہیں سکتا۔ بغیر مذہب کے اخلاق کسی گروہ انسانی کے دلوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا؛ اور اس سے کوئی معقول تعداد انسان کی مستفید اور موثر نہیں ہو سکتی۔ پروفیسر پرنجپی کی آخری دلیل یہ ہے کہ ہندو بزرگواروں کو کیا حق ہے کہ نوجوانوں کے طرز عمل پر اعتراض کریں جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خود بیوگان سے بیرحمی سے پیش آتے ہیں اور کئی دیگر عادات وخیالات پر حملہ نہیں کرتے۔ ہم کو اس دلیل کو پڑھ کر افسوس ہوا کہ پروفیسر پرنجپی کی ناتجربہ کاری اور اُن کی نوجوانی اس امر کی مانع ہوئی کہ وہ اس دلیل کی وقعت جان سکتے۔ کیا حقیقت میں یہہ دلیل درست ہے کہ اگر کسی لڑکے کے باپ میں چند نقص ہیں تو اسکو اس امر کا کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے لڑکے کو دیگر عیوب سے تنبیہ کرے۔ کیا یہ کوئی دلیل ہے کہ اگر میں شراب خوار ہوں تو اپنے بچے کو رشوت خواری سے بچانے کی کوشش نہ کروں۔ یا اسکو لامذہب یا منکر از خدا نہ ہونے دوں۔ یا اسکو عیسائی ہونے سے نہ روکوں۔ میری کمزوری کے سبب میری کوشش کا نتیجہ خاطر خواہ نہ ہو مگر اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ میرا فرض تو یہی ہے کہ میں اپنے لڑکے کے اخلاق درست کرنے کی کوشش ضرور کروں۔ اصل بات تو

یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسز اینی بسینٹ کی سکیم مذہبی تعلیم نے اور ان کی بتائی ہوئی مذہبی تعلیم کی کتابوں نے پروفیسر پرنجپی کو ایسا بھڑکا دیا کہ وہ اس مضمون پر رائے صائب نہ دیسکے۔ اور ایک طرفہ ہوکر مذہبی تعلیم کی ضرورت پر حملہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

سمرپن

راقم ان چند اوراق کو نہایت محبت اور عزت کی نگاہ سے اپنے ان نوجوان دوستوں کے سمرپن کرتا ہے جنہوں نے دنیاوی دولت۔ جاہ وحشمت اور اس سے جو آرام وعیش میسر آتا ہے۔ ان سب کو چھوڑ کر اپنی زندگیاں قوم کی تعلیم کے بڑھانے اور اس کو بہتر کرنے کے لئے فدا کی ہیں۔ یہ لوگ قوم کے سچے دوست ہیں ہمارے سرمایۂ ناز ہیں۔ اور ان کی زندہ مثال سے ہمیں آئندہ کی امیدیں ہیں ہم ہر وقت دست بدعا ہیں کہ ہمارا مالک ان کی عمروں میں برکت دے۔ ان کے حوصلوں کو بڑھائے اور ان کو یہ ہمت بخشے کہ وہ اپنے ارادہ پر استقلال سے قائم رہیں *

ان کا مداح اور خادم

لاجپت رائے

ہماری تعلیمی کشتی تھپیڑوں میں

یا

مسئلۂ تعلیم پر چند خیالات

ہر ایک ملک کے بچّے اُس ملک کی دولت ہیں۔ اور قومی دانائی کی یہی شناخت ہے کہ قوم کی نگاہ میں اس سرمایہ کی کیا قدر ہے۔ قوم کسطرح اُس کو استعمال کرتی ہے اور کتنا فائدہ اُس سے اُٹھاتی ہے

از ایڈریس اوّل بوچپ صاحب پریزیڈنٹ سوم انٹرنیشنل کانگریس واسطے رفاہ وحفاظت طفلاں مقام لندن

از

رائے
لاجپت رائے
ممبر مینجنگ کمیٹی دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور

مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور

دیباچہ

ان چند صفحات میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں اُن کو اپنے اہل وطن کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے میں کچھ معذرت نہیں کرنا چاہتا تعلیم کا مضمون ایسا ضروری اور ایسا مشکل ہے کہ اس پر بحث کرنا کبھی خالی از فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں وہ مضامین ایزاد کئے گئے ہیں جو قبل از سفر انگلستان میں نے لکھے تھے۔ ان مضامین میں کچھ خیالات ایسے ہیں جو حصہ اول میں نہیں ملیں گے اور بعض ایسے بھی ہیں جو دونوں میں مشترک ہیں۔ میں نے اس خیال سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی کہ حصہ اول و حصہ دوم کا مقابلہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اور سارے کا سارا مضمون ایک نہایت ہی اہم سوال پر ہے اس لئے دو دفعہ بعض خیالات کا مطالعہ کو کسی قدر ناگوار خاطر ہو مگر خالی از فائدہ نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ دیگر صاحب بھی جن کو اس سوال میں لگاؤ ہے اور جنہوں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس بحث میں حصہ لیں تاکہ خیالات کی باہمی تبدیلی سے ہم صحیح نتائج پر پہونچ سکیں +

لاجپت رائے

ہماری تعلیمی کشتی بھنور میں

یا

ہمارے لڑکے کیا کریں؟

عرصہ چار سال کا گذرا کہ میں نے لاہور آریہ سماج کے سالانہ جلسہ پر "ہم اپنے لڑکوں کا کیا بنادیں" کے مضمون پر کچھ خیالات ظاہر کئے تھے جو بعد میں چند نمبروں میں آریہ گزٹ میں شائع ہوئے تھے اس وقت سے یہ مضمون ہمیشہ میرے زیر مطالعہ رہا ہے بلکہ شاید یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ میں نے اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ اس سوال کے مطالعہ کرنے اور اس کے متعلق مختلف پہلوؤں پر غور کرنے میں صرف کیا ہے۔ مارچ ۱۹۰۵ء سے پہلے بھی کئی بار میں نے اس سوال کے مطالعہ کے لئے غیر ممالک کی سیر کرنے کا ارادہ کیا تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ روانگی کی تاریخ وغیرہ مقرر کرلی مگر جس روز کرایہ کا روپیہ بھیجنے لگا سخت بیمار ہوگیا۔ مجبوراً اپنے ارادہ کو ملتوی کرنا پڑا۔ سال گذشتہ میں جب اول اول انڈین نیشنل کانگرس کے ایک معزز لیڈر نے مجھے کانگرس ڈیلیگیٹ کی حیثیت سے انگلینڈ جانے کے لئے ارشاد کیا تو اس وقت سب سے پہلے میرے دل میں یہی خیال آیا کہ اس طرح سے تعلیمی سوال کو مطالعہ کرنے کا موقعہ ملیگا۔ چنانچہ میں نے اپنی رضامندی ظاہر کرنے میں بھی صاف طور پر یہ امر بیان کردیا تھا۔ یورپ اور امریکہ میں گو اس عرصہ قلیل میں جو مجھ کو بلا پولیٹیکل کام میں مصروفیت کی جب

سے مجھے اس قدر فرصت اور موقع نہ ملے کہ جن کو میں حسب دلپسند اور خاطر خواہ کہہ سکوں ۔
لیکن تاہم واجبی طور پر پولیٹکل تحریک کے کام سے جس قدر وقت میں بچا سکا وہ میں نے
اس سوال کے مطالعہ میں صرف کیا ۔ اور علاوہ چشم دید ملاحظہ اور مشاہدہ کے بہت سی
لٹریچر بھی اکٹھی کی جس سے مجھے اس پر رائے قایم کرنے میں مدد ملے ۔ بسا اوقات
رات کو آنکھ کھُل جانے پر بھی میں نے یہی سوال اپنے دماغ میں چکر کھاتا ہوا پایا ۔
تاہم مجھے یہ دعوےٰ نہیں کہ باوجود اس قدر محنت و تلاش و غور و فکر و مطالعہ کے
مجھے کسی قسم کا کیمیائی حل مل گیا ہے یا کوئی ایسی جیون بوٹی مل گئی ہے یا یہ بھی کہ میں
نے کوئی ایسی قابل قدر دریافت کر لی ہے جو میرے سے پہلے لوگوں کو معلوم نہ تھی یا
جو ہماری تمام بیماریوں کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے ۔ لیکن شاید اتنا کہنا بیجا
نہ ہوگا کہ اس قدر مطالعہ کے بعد مجھے یہ معلوم کر کے کسی قدر تسلی ضرور ہوئی کہ جو خیالات
اس بارے میں مَیں نے چار سال ہوئے ظاہر کئے تھے وہ عموماً اب بھی درست
معلوم ہوتے ہیں ۔ اس کے ہرگز یہ معنے نہیں ہیں کہ میں نے اس چار سال کے مطالعہ
سے کوئی نئی بات نہیں سیکھی یا میری معلومات میں کوئی معقول بیشی نہیں ہوئی ۔ بلکہ اس کے
فقط یہ معنے ہیں اور اس امر کو میں نے فقط اس غرض سے بیان کیا ہے کہ اگر میرے
ناظرین کو میری اس تحریر میں کوئی نئی بات معلوم نہ ہو یا اگر اُن کو یہ پرتیت ہو کہ مَیں اس
تحریر میں عموماً وہی خیالات ظاہر کرتا ہوں جو پہلے مختلف موقعوں پر ظاہر کر چکا ہوں ۔
تو ان کو کسی قسم کی مایوسی نہ ہو ۔ میری رائے میں تو وہ مطالعہ بہت بیش قیمت ہے
اور اس کا نتیجہ خاطر خواہ ہے جس سے مطالعہ کنندہ کو یہ یقین ہو جاوے کہ وہ پہلے
سے بھی غلط راستہ پر نہیں تھا اور جو رائے وہ پہلے سے رکھتا ہے وہ اس قابل
ہے کہ وہ مضبوطی سے خود اُس پر عمل کر سکے اور دوسروں کو اس کی دعوت دے ۔
مجھے اپنی ان جدید معلومات کے لئے اس سے زیادہ اور دعوےٰ نہیں ہے ۔

ہندوستان میں بے چینی

جو سوال مَیں نے اس مضمون کے عنوان پر درج کیا ہے وہ ایسا سوال ہے جو ہندوستان کی کثیر آبادی کو بلالحاظ مذہب وملت وجماعت بے چین کر رہا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو تمام تہذیب یافتہ دنیا آجکل اس سوال کے پیچ وتاب میں بیزار اور بیقرار ہے دنیا کے چاروں اطراف میں لوگ نہایت سنجیدگی سے نہایت متانت ودلچسپی سے اور سخت ذمہ واری کے بھاؤ سے۔ نہیں نہیں بلکہ کمال تردد سے اس سوال پر غور کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک صاحب اولاد کو یہی فکر دامنگیر ہے۔ ہندوستان میں تو ہم فی الحال ایک پرانی عادت کے زیر اثر صرف لڑکوں کے متعلق یہ سوال اٹھاتے ہیں۔ مگر باقی تہذیب یافتہ دنیا اس سوال کو سوچتی ہوئی لڑکے اور لڑکیوں میں کوئی تمیز نہیں کرتی

لڑکیوں کے متعلق یہ سوال

دنیا کی کوئی تہذیب یافتہ قوم اپنی لڑکیوں کی طرف ایسی لاپرواہی اور سرد مہری ظاہر نہیں کرتی جیسی کہ ہم اس تنزل کے زمانے میں کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نہ صرف وہ نقصان اٹھا رہے ہیں جو کمزور۔ ان پڑھ۔ بزدل۔ اپنے پر بھروسہ اور وشواس رکھنے کی عادت سے بے بہرہ۔ ہر ایک امر میں دوسروں کے محتاج اور دست نگر۔ جملہ پہلوؤں سے لاچار ماتاؤں کی سنتان کو اور ایسی ماتاؤں کی جنم بھومی کو اٹھانا پڑتا ہے۔ بلکہ ہم اس نقصان کی بھی ذمہ واری محسوس کرتے ہیں جو کثیر تعداد لڑکیوں کے بے وقت مرجانے سے ہماری قوم کو اٹھانا پڑتا ہے۔

ہم ابھی یہ نہیں کہتے اور اس نتیجہ پر نہیں پہنچے کہ دوسری قومیں جس طرح اپنی لڑکیوں کو تربیت کرتی ہیں وہ سارے کا سارا طریقہ پسندیدہ ہے اور اس قابل ہے کہ ہم من وعن اس کو نقل کرلیں۔ یہ سوال علیحدہ ہے اور گو نہایت ضروری ہے مگر موجودہ بحث کے احاطہ سے باہر ہے۔ یہاں پر تو فقط ہمارا یہ ظاہر کرنے کا منشاء ہے

کہ مغرب کے تہذیب یافتہ صاحب اولاد جس تردد اور ذمہ داری کے خیال سے لڑکوں کو روزی کمانے کے قابل بنانے کا فکر کرتے ہیں اسی تردد اور ذمہ داری کے بھاو سے وہ لڑکیوں کے متعلق بھی روزی کے سوال کو زیر نظر رکھتے ہیں +

فی الحال لڑکوں کے متعلق بحث

خیر اس سلسلہ میں فی الحال ہم فقط لڑکوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں سوائے اس کے کہ دوران بحث میں کہیں کنیاؤں کے متعلق بھی کچھ ریمارک دینے کی ضرورت پڑ جاوے +

ممالک مغربی میں یہ سوال کیوں تردد پیدا کرتا ہے +

میری اس مندرجہ بالا تحریر سے شاید آپ کو یہ جاننے کا شوق پیدا ہو گیا ہو کہ مغربی ممالک میں یہ سوال کیوں تردد پیدا کرتا ہے - درحالیکہ وہ ممالک ہر طرح سے آزاد اور مالا مال ہیں اور اُن کے پاس نہ صرف بے اندازہ دولت ہے بلکہ اُن کو دولت بڑھانے اور پیدا کرنے اور اپنے لڑکوں کے لئے اعلےٰ سے اعلےٰ - عمدہ سے عمدہ روزی کمانے کے وسایل بہم پہنچانے کے ذریعے موجود ہیں - اُن کے لڑکوں کے واسطے دنیا کے چاروں کونے کھلے ہیں - اُن کو نہ صرف یہ اختیار اور اقتدار حاصل ہے کہ وہ روزی کمانے اور دولت پیدا کرنے کے لئے جہاں چاہیں وہاں چلے جاویں اور اپنی اعلےٰ تعلیم اور لیاقت سے دوسروں کو پیچھے ہٹا کر اُن کی روزی کے وسایل چھین لیں بلکہ اُن کو یہاں تک قدرت حاصل ہے کہ دوسروں پر حکومت کرنے کا کام بھی ان کی اولاد کیواسطے کافی ہونا چاہیئے +

دنیا محدود ہے

یہ سچ ہے مگر معلوم رہے کہ کرہ آراضی محدود ہے - اور انسانی ambition (ترشنا یا خواہش) کی

کوئی حد نہیں - اگر دنیا میں صرف یہی خواہش ہوتی کہ ہر ایک شخص محض اپنی ضروریات پورا کرے اور اپنی ضروریات کو پورا کرتا ہوا دوسروں کو بھی اپنی ضروریات کے پورا کرنے کا ویسا ہی موقعہ دے اور نہ صرف اس کی ضروریات کے راستہ میں مزاحم نہ ہو بلکہ اپنی ضروریات سے زیادہ جدوجہد کرنا پاپ یا کم از کم ناجائز یا نامناسب سمجھے تو یہ کرہ اراضی تمام بنی نوع انسان کی آبادی کے لیئے کافی سے بھی زیادہ ہے - مگر بدقسمتی سے ترشنا کی کوئی حد نہیں اور اس لیئے جہاں "مختلف اقوام میں مقابلہ کی سپرٹ" ایک کو دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے "زیادتی کرنے" اس کی کمزوریوں سے نامناسب فائدہ اٹھانے اور اس کے منہ سے لقمہ چھین کر اپنے آپ کو مالا مال کرنے اور اپنے لیئے عیش و عشرت سے بھی بہت زیادہ سامان اکٹھا کرنے کے لیئے مائل کرتی ہے وہاں ایک قوم کے مختلف افراد میں بھی یہی نامراد سپرٹ مقابلہ (ہمارا ہرگز یہ منشا نہیں کہ ہم اخلاقی یا روحانی پہلو سے اس سپرٹ کی نندا کریں یہ سوال دیگر ہے جس پر ہم اس وقت رائے زنی کرنا نہیں چاہتے) چند انسانوں کو دوسروں پر سبقت لیجانے اور ان کے منہ سے روٹی چھین کر اپنے لیئے لا انتہا دولت کے انبار اکٹھا کرنے پر مجبور کرتی ہے جن ممالک میں تعلیم عالمگیر ہے ان ممالک میں یہ مقابلہ بھی بیحد اور نہایت سخت ہے - وہاں پر پڑھے ہوئے اور ان پڑھوں کے درمیان مقابلہ نہیں ہے بلکہ جملہ تعلیم یافتوں کے درمیان مقابلہ ہے - تعلیم نے ہر ایک کے قدرتی فہم و ذکاوت کو ترقی دی ہے - اور ہر ایک شخص کے ہاتھ میں قیمتی اور طاقت ور اور زبردست ہتھیار دیدیئے ہیں - ہر شخص اس کوشش میں ہے کہ دوسرے پر سبقت لیجاوے اور ہر شخص یہ قابلیت رکھنے کا دعویدار ہے - ایسی صورت میں یہ سبھاوک ہے کہ باوجود وہ قدرت - اقتدار - ثروت - جاہ و جلال و سلطنت و دولت رکھنے کے بھی جو مغربی اقوام کو اس وقت حاصل ہے اور جس کے ذریعے ان کو بے حد موقعے اپنی اولاد کو باعزت

روزی پر لگانے کے حاصل ہیں - ہر ایک صاحب اولاد کو اپنی اولاد کا فکر ہے اور ہر ایک ایسے شخص کے سامنے ہر وقت موٹے حروف میں لکھا ہوا یہ سوال موجود رہتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کا کیا کرے +

ہمارے ملک میں یہ سوال اب کیوں اُٹھا

ہمارے ملک میں چند سالوں سے یہ سوال نہایت تکلیف دِہ اور قابل فکر صورت اختیار کرتا جاتا ہے - شروع عملداری انگریزی میں گورنمنٹ کو بہت سے انگریزی خواندگان کی ضرورت تھی - علاوہ اس کے وکالت و دیگر آزاد پیشوں میں بھی بہت گنجائش تھی - اس لئے بہت سے باوسعت وخبردار صاحب اولاد اپنی اولاد کو اس غرض سے تعلیم دیتے تھے کہ وہ سرکاری ملازمت کے ذریعہ یا ان دیگر آزاد پیشوں میں داخل ہو کر اپنی روزی کما دیں جن لوگوں نے ان ذرائع سے اپنی روزی حاصل کی ان کے واسطے یہ امر سبھاؤک سا ہو گیا کہ وہ اپنی اولاد کو بھی اُنہیں ذریعوں کی طرف متوجہ کریں - باقی انگریزی سے ناواقف یا نئی تعلیم سے بے بہرہ جماعتیں حسب دستور قدیم اپنے اپنے کاموں میں لگی ہوئی تھیں اور معمولی طور پر اپنی حالت پر شاکر اور صابر معلوم دیتی تھیں - اگرچہ انگریزی کارخانجات کی ساخت کی چیزوں نے بہت سے دیسی کاریگروں کو بے روزگار کر دیا تھا اور ملک میں افلاس اور غربت دن بدن بڑھ رہی تھی مگر تعلیم یافتہ جماعتیں بباعث معقول روزگار مل جانے کے اس افلاس کے اثر سے باہر تھیں اور اس لئے گو گاہے گاہے کوئی سمجھ دار آزاد منش اخبار نویس یا اور کوئی صاحب قلم کاریگروں کی بے روزگاری اور زراعت پیشہ جماعت کے افلاس پر توجہ دیتا اور دلاتا تھا مگر عام طور پر ملازمت پیشہ تعلیم یافتہ اہل ملک کو اس کا بہت خیال نہ تھا - اور ان میں سے اکثر اسی دُھن میں لگے رہتے تھے کہ اپنی اولاد کو بی - اے - ایم - اے - ایل - ایل بی کی ڈگریاں دلا کر - منصف یا ڈپٹی کلکٹر - یا وکیل -

یا ڈاکٹر یا انجنیر بنا دیں۔ کوئی دولتمند ہندوستانی اپنے حوصلہ کے پرواز میں انڈین سول سروس یا میڈیکل سول سروس پر بھی عبور کر جاتا تھا۔ اور اسی طرح بہت سے بے وسیلہ اور کم استطاعت لوگ محض دفتروں کی کلرکی یا مدرسوں کی مدرسی یا ہسپتالوں کی ماتحتی پر ہی قناعت کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے تاہم یہ تعلیم ایک بڑی تعداد کی ضرورتوں کو پورا کرتی تھی۔ آخر تابکے یہ سلسلہ جاری رہتا۔ جب سرکاری دفاتر میں ہندوستانی تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد پوری ہو گئی اور اس بدبخت ملک میں سرکار انگریزی کی فتوحات کے لئے اور علاقے باقی نہ رہے تعلیمی مدارس و کالجوں میں طالب علموں کی تعداد کسی قدر بڑھ گئی تو تعلیم یافتہ حلقوں میں روزی کی دقت محسوس ہونے لگی۔ کچھ سال تو اس ڈیمانڈ کی قلت کا اثر محض ہاز لوفی قیمت کو کم کرنے پر محدود رہا مگر آخر وقت آن پہنچا کہ کسی قیمت پر سرکاری دفاتر میں ضرورت نہ رہی۔ لوگوں کو یہ فکر پیدا ہوا ہی تھا کہ سرکار انگریزی نے اپنی تعلیمی پالیسی کو پلٹ دیا اور تعلیم گراں کر دی۔ تعلیم کی گرانی نے بہت سے غریب ماں باپ کی اولاد کو تعلیم سے محروم کر دیا +

پرائیویٹ سکول و کالج

اس پالیسی کے اثر سے کثیر تعداد نوجوانوں کو محفوظ کرنے کے لئے ایک باہمت اور دیش بھگت جماعت نے اپنے اہل وطن کی تعلیم کے لئے ایسے مدارس اور کالج بنائے جہاں اُن کو کسی قدر ارزاں تعلیم مل سکے۔ یہ تعلیم گو سارے پہلوؤں سے سرکاری مدارس و کالجوں کی تعلیم کے برابر نہ ہو مگر بعض پہلوؤں میں اُن سے بہتر بھی تھی گو اس تعلیم کے نتائج متعلقہ روزی بہت حوصلہ بڑھانیوالے نہ تھے +

حکام انگریزی کی مخالفت

مگر جن حکام نے خاص مقاصد سے دیدہ و دانستہ تعلیم کو گراں کیا تھا اُن کو پرائیویٹ

سکولوں کالجوں کی ارزاں تعلیمی ایجنسی کیسے بہا سکتی تھی - انہوں نے وقتاً فوقتاً ان درسگاہوں کو مختلف طرح سے لوگوں کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی - مگر یہاں پر تو سوال ضرورت کا تھا حکام کی کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور سستی تعلیم دینے والے پرائیویٹ سکول اور کالج دن بدن بڑھتے گئے - حتیٰ کہ بعض اپنی عمدگی تعلیم وتقلین کے لحاظ سے عمدہ سے عمدہ سرکاری و مشن سکولوں و کالجوں کا مقابلہ کرنے لگے - اس تمام کشمکش کا آخری سین لارڈ کرزن کی عملداری میں وقوع میں آیا جبکہ صاحب ممدوح نے علانیہ طور پر سستی تعلیم دینے والے سکولوں و کالجوں کے برخلاف جہاد کا اعلان دیدیا اس نئی پالیسی کا نتیجہ یہ تو بدیہی ہوا کہ بمثل سابق سستی تعلیم دینے والے نئے سکول و کالج کھولنے کا تو خیال ہی بند ہو گیا - مگر ساتھ ہی لوگوں کو یہ بھی خیال آنے لگے کہ آیا روزی کمانے کی قابلیت کے خیال سے یہ تعلیم ایسی چیز ہے جس کے لئے اس قدر کوشش و صرفہ کیا جاوے جو کہ نئے قواعد کے بموجب ضروری ہو گیا ہے +

تعلیم کے راستہ میں خطرے

گویا اس وقت ہندوستانی لڑکوں کی تعلیم کو دو خطرے ہیں - ایک خطرہ تو یہ ہے کہ صاحب اولاد لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا جاتا ہے کہ تعلیم معقول روزگار کے حاصل کرنے میں کافی مدد نہیں دیتی دوسرا خطرہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی ارزاں تعلیم کے برخلاف ہے - گورنمنٹ نہ یہ چاہتی ہے کہ وہ خود اپنی رعایا کو مفت یا ارزاں تعلیم دے اور نہ وہ اس امر کو گوارا کرتی ہے کہ غیر سرکاری ایجنسی اس کام کو انجام دے +

گورنمنٹ کی پالیسی

آج زائد از بیس سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ گورنمنٹ نے یہ پالیسی قرار دی کہ سکنڈری اور اعلےٰ تعلیم کا دینا گورنمنٹ کا فرض نہ تھا انہوں نے سکنڈری اور اعلےٰ تعلیم کے لئے اپنے دانست میں کشادہ امداد

کے ذریعے قایم کئے - اور لوگوں کو یہ کہا کہ تم خود ان دونوں انواع کی تعلیم کا بندوبست کرو اس پالیسی کی یہ وجہ قرار دیگئی کہ یوروپ میں بھی اسٹیٹ کا یہی فرض سمجھا جاتا تھا کہ عام لوگوں میں ابتدائی تعلیم کی اشاعت پر اپنے محاصل خرچ کرے اور سکنڈری اور اعلےٰ تعلیم پر ہر ایک صاحب اولاد خود اپنا صرفہ اٹھاوے - اس پالیسی کے قرار دینے میں افسران انگریزی نے دو امر نظر انداز کر دیئے اول تو یہ کہ یوروپ میں جو تعلیم ابتدائی تعلیم کے نام سے دی جاتی ہے وہ بہت پہلوؤں سے ہندوستانی مدارس کی سکنڈری تعلیم کے ہم پلہ ہے اور بالکل مفت اور لازمی ہے - دوم یہ کہ مغرب کا میلان اُسوقت بھی یہ تھا کہ اسٹیٹ سوائے یونیورسٹی کی تعلیم کے ہر قسم کی تعلیم کا ذمہ وار سمجھا جاوے - چنانچہ اس میلان کی وجہ سے انگلینڈ میں اسوقت بہت سے مدارس ایسے قایم ہیں جہاں کہ ابتدائی تعلیم سے گذر کر کسی قدر سکنڈری تعلیم بھی بلا فیس اور ہر طرح سے مفت دیجاتی ہے صوبجات متحدہ امریکہ کے بہت سے صوبوں میں ہر قسم کی ابتدائی اور سکنڈری تعلیم ہائی سکول کے درجہ تک - بلا فیس - مفت - بلا کسی قسم کے خرچ کے دی جاتی ہے - ان مدارس میں طالب علم اور اُن کے والدین کتب - کاغذ قلم دوات - پنسل آلات وغیرہ اس قسم کے اخراجات سے بری الذمہ ہیں - ایسی صورت میں ہندوستان جیسے مفلس ملک میں یہ پالیسی کیا معنی رکھتی ہے کہ یہاں پر گورنمنٹ نہ تو پرائمری تعلیم عمدہ دے نہ مفت دے اور دوسری جانب ایک کثیر تعداد لڑکوں کے لیے جنھوں نے اپنے خرچ سے معمولی ابتدائی تعلیم پائی ہو - فیس کی گرانی سے یہ ناممکن بنا دے کہ وہ اوسط درجہ کا صرفہ برداشت کر کے سکنڈری تعلیم پا سکیں - مگر ہماری گورنمنٹ نے اسی پر اکتفا نہیں کی - بلکہ اُس کے قائمقام شروع سے ہی اس کوشش میں لگے رہے کہ جو پرائیویٹ سکول ازراں سکنڈری تعلیم دینے کے لیئے کھولے جاویں اُن کے راستہ میں مشکلات ڈالی جاویں - ۱۸۶۲ء سے لے کر اس وقت تک اگر محکمہ تعلیم کے قواعد و ضوابطہ کی پڑتال کی جاوے تو معلوم ہو جاویگا کہ وقتاً فوقتاً کس طرح پرائیوٹ سکولوں کو زک پہنچانے کی کوششیں کی گئی ہیں حتیٰ کہ

لارڈ کرزن کی نئی تعلیمی پالیسی نے تو پرائیویٹ سکولوں کو بالکل سرکاری محکمہ کی زنجیروں میں بند
کر دیا۔ نئے پرائیویٹ سکولوں کا کھولنا ہی نہ صرف افسران تعلیمی کی منظوری پر منحصر ہے بلکہ
موجودہ سکولوں کی ہستی کے بھی لالے پڑ گئے۔ آئے دن ان کے برخلاف یورشین ہوتی ہیں
پہلے تو منیجران کو روپیہ بہم پہنچانے و قابل استادوں کے ملازم رکھنے اور انتظام کرنے کی ہی
دقتیں تھیں۔ اب ان پر مزید برآں یہ بھی ضروری ہو گیا کہ صاحبان افسران محکمہ تعلیم
کی خوشنودی بھی کسی نہ کسی طرح حاصل کیجاوے۔ اسکے یہ معنے ہو گئے کہ (خواہ بلاارادہ ہی ہو)
گورنمنٹ نہ تو خود معقول صرفہ سے ہمارے لڑکوں کو سکنڈری تعلیم کا انتظام کرے اور نہ ہمکو آسانی سے ایسا کرنیکی اجازت دے

روزگار کی کمی کا خطرہ

اب ہم اُس دوسرے خطرہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں
جسکا ذکر ہم نے شروع میں کیا تھا۔ یعنی صاحب اولاد لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جگہ پکڑتا
جاتا ہے کہ اعلےٰ تعلیم معقول روزگار کے حاصل کرنے میں مدد نہیں دیتی۔ اس خیال کے نشوونما
کی تاریخ یہ ہے کہ چونکہ ابتدائی عملداری انگریزی میں سرکار کو اپنے کاروبار کے لئے انگریزی
تعلیم یافتہ لوگوں کی ضرورت تھی اس لئے اول اول انہوں نے اچھے اچھے مشاہرے ان
لوگوں کو دیئے جو کہ سکولوں اور کالجوں سے نکلے حتیٰ کہ لوگوں کے دلوں میں اس تعلیم کی مالی
قیمت کا ایک غلط اور مبالغہ آمیز اندازہ جم گیا۔ مگر یہ ضروری تھا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی
تعداد میں بیشی کے ساتھ سرکاری ملازمت کی قیمت کم ہو جاوے۔ مگر اب وقت کے اقتضائے
سے یہ قیمت اس قدر کم ہو گئی کہ بعض صورتوں میں متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ (مثلاً مڈل سکول
کے پاس کردہ) نوجوانوں کو اس قدر مشاہرہ نہیں ملتا جس قدر کہ محض ناخواندہ جاہل مزدوروں
کو ملتا ہے۔ پہلے جب زندگی کی ضروریات کم تھیں تو ناخواندہ لوگوں کی مزدوری بہت کم
تھی اور خواندہ لوگوں کی تنخواہ یا مزدوری ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی یہ تفاوت ایسا اوربدیہی
تھا کہ لوگ بلا سوچے سمجھے تعلیم کی مالی قیمت کی وجہ سے اس کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔
مگر اب زندگی کی ضروریات خصوصاً اشیاء خوردنی اس قدر گراں ہو گئی ہیں کہ کوئی ناخواندہ مزدور

سابقہ شرح مزدوری پر مزدوری نہیں کر سکتا - اس ملک کے موجودہ تمدنی حالات میں افلاس کا اس قدر زور ہے اور مقررہ روزگار سے بے بہرہ لوگوں کی تعداد ایسی کثیر ہے کہ ناخواندہ مزدوروں کی مزدوری میں اس تناسب سے بیشی نہیں ہوئی جس تناسب سے اشیاء خوردنی کی قیمت گراں ہو گئی - بعض علاقوں میں جہاں گیہوں - چنے وجوار وغیرہ اناج چار گنے سے زیادہ گراں ہو گئے ہیں مزدوری میں ۵۰ فیصدی بھی بیشی نہیں ہوئی - حصار کے ضلع میں اب بھی ۲ ر یا ۲½ ر روپیہ پر مزدور مل جاتا ہے - حالانکہ پچھلے ۲۵ سال میں اشیاء خوردنی کئی گنی سے زیادہ گراں ہو گئی ہیں - تاہم لاہور - امرتسر جیسے مقامات میں ناخواندہ مزدوروں کی شرح مزدوری میں ضرور ترقی ہوئی ہے - جسکا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات سکولوں و کالجوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کی وہ قیمت نہیں پڑتی جو ناخواندہ ملازمان - مزدوران یا ناخواندہ پیشہ وراں کو ملتی ہے - یہ امر کسیقدر تسلی بخش ہے کہ جہاں ایک طرف سرکاری ملازمت کیواسطے اعلےٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہندوستانی نوجوانوں کی قیمت کم ہو گئی ہے وہاں دوسری طرف غیر سرکاری ملازمت کیواسطے اُن کی قیمت مقابلتاً زیادہ ہے - مگر دقت یہ ہے کہ ابتدائی و متوسط درجہ کی سکنڈری تعلیم کی قیمت کے نہایت کم ہو جانے کے ساتھ ہی اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے دروازے مسدود ہو گئے یا ہونیوالے ہیں - المختصر اسوقت ہمارے لڑکوں کی تعلیم کے راستہ میں حسب ذیل خطرات ہیں +

(۱) گورنمنٹ کی جانب سے کسی قسم کی تعلیم کا دباؤ نہیں - ابتدائی تعلیم بھی بلا فیس مفت اور ہر جگہ میسر نہیں ہو سکتی +

(۲) ابتدائی تعلیم کی وہ قیمت نہیں کہ جو لوگ اپنی اولاد کو دس بارہ سال تک تعلیم نہیں دے سکتے وہ کچھ نقصان اٹھا کر کم از کم ابتدائی تعلیم دیں +

(۳) گورنمنٹ کی پالیسی سے اعلےٰ تعلیم بہت گراں ہو گئی +

(۴) اعلےٰ تعلیم کے گراں ہو جانے سے ملک کی اُن غیر سرکاری ایجنسیوں کو جن کو تعلیم یافتہ ملازموں کی ضرورت ہے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے -

گویا اس کے یہ معنے ہیں کہ جہاں ایک طرف ہمارے ملک کو تعلیم کے عام و بے بہا فوائد سے محروم رہجانے کا اندیشہ ہے وہاں دوسری طرف ملک کی وہ غیر سرکاری ایجنسیاں بھی جن پر ملک کی تمدنی حالت کی بہتری کا دار و مدار ہے خطرہ میں ہیں۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد میں کمی ہو جانے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ملازمان واجبی اور کم تنخواہوں پر نہیں مل سکیں گے ان کے منافع کم ہو جاوینگے اور ان کے پھیلنے اور نشو و نما پانے کے موقع بھی کم ہو جاوینگے +

ہندوستانیوں پر تعلیم کی بذاتہ بیقدری کا الزام

اول الذکر اندیشہ کے جواب میں اب ہم کو چاروں طرف سے یہ اپدیش ملنا شروع ہو گیا ہے کہ ہندوستانی بذات خود تعلیم کی قدر نہیں جانتے اور صرف اس کی مالی قیمت کی طرف ہی آنکھیں لگائے رہتے ہیں مگر جو لوگ ہم کو یہ اپدیش دیتے ہیں وہ یہ یاد نہیں رکھتے کہ ہم کو اس حالت تک پہنچانے کے وہ خود ذمہ وار ہیں۔ جس قدر غیر اقوام و غیر ممالک کے لوگ اس وقت ہندوستان میں روپیہ کماتے ہیں اور اپنی کمائی ہندوستان سے باہر لیجاتے ہیں وہ بلاشک اس غربت و افلاس کے ذمہ وار ہیں جس میں ہمارا ملک اسوقت مبتلا ہے۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان کی خوشحالی ان کی بہبودی اور ان کی کمائی کی بنیادیں ہزارہا مخلوق خدا کی روزگاروں کی پامالی پر ہیں ہر ایک غیر آدمی جو اس ملک میں دولت کمانے یا روزی کمانے کے کام میں مصروف ہے وہ ہزارہا اہل ملک کے منہ سے لقمہ چھینتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرکاری شمار سے ۷ کروڑ باشندگان ہند ایسے ہیں جن کو دو وقت موٹا کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا کیا یورپ کے کارخانے ہمارے جولاہوں اور دیہاتی موچیوں و دیگر حرفت کاروں کی بے روزگاری کے ذمہ وار نہیں ہیں کیا یوروپین بنک ہمارے ساہوکاروں کی موجودہ خستہ حالی اور بے روزگاری کے موجب نہیں ہیں ایک زمانہ تھا کہ اس دیش میں ودیا (تعلیم) عام تھی۔ بلا قیمت دی جاتی تھی اور بلا خیال قیمت حاصل کی جاتی تھی اور جس کی غرض دولت کمانا نہ تھا +

جن لوگوں کی مالی حالت اُن کو اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ ان میں سے ہر ایک

قیمتاً اپنے بچے کو تعلیم دے سکے - جن لوگوں کو پیٹ خاصکر اس امر کی اجازت نہیں دیتا
کہ وہ دیر تک سکول میں رہ سکیں - جن لوگوں کو روزی کمانے کی ضرورت اس امر پر مجبور کرتی
ہے کہ وہ تعلیم کے پورے فائدے سے محروم رہیں ان کو یہ اپدیش دینا کہ وہ وِدیا کو محض کلچر
یعنے شستگی کی خاطر حاصل نہیں کرتے اور اس سے وہ حظ نہیں اٹھاتے جو وِدیا کے بھگت اٹھاتے
ہیں محض لایعنی ہے اور الزام دہندگاں کی سنگدلی پر دلالت کرتا ہے - بیشک ہمارے ملک میں
ایسی جماعتیں بھی ہیں جو محض کلچر کی خاطر تعلیم پا سکتی ہیں اور جو اپنی ناواقفیت یا دیگر وجوہات
سے اپنی اولاد کو پوری تعلیم نہیں دیتیں - مگر ایسے اشخاص بہت محدود ہیں اور محض
ان کی وجہ سے تمام قوم پر یا عام لوگوں پر یہ الزام لگانا ہماری رائے میں محض دنیا کی
آنکھوں میں دُھول ڈالنا ہے +

مغرب میں تعلیم کی قیمت کا خیال

اس بارہ میں ہم کو اپنے حکام اپدیشٹاؤں کے اپدیشوں
کے بے غرض نہ ہونے کا اور بھی یقین ہو جاتا ہے

جب ہم اس خیال کا مطالعہ کرتے ہیں جو مغرب میں آجکل تعلیم کے متعلق بالعموم پھیلا ہوا ہے -
مغرب میں شخصی اور قومی تعلیم کا پہلا معیاد آجکل یہ ہے کہ اس تعلیم کے ذریعہ سے متعلم (خواہ وہ
ایک واحد شخص ہو یا ایک قوم) کس درجہ تک روزی دولت کمانے کے قابل ہو جاتا ہے
مغرب میں اس وقت اُس تعلیم کی قدر ہے جس سے متعلم نہ صرف اپنی روزی کما سکے
بلکہ اپنی قوم کی دولت بڑھا سکے اور دوسری اقوام کے لوگوں کے ساتھ مقابلہ میں بازی لے
جا سکے - مغرب میں اس وقت دولت اور طاقت کے لئے ایک عظیم گھوڑ دوڑ جاری ہے،
اور تعلیم کی پرکھ یہ ہے کہ وہ کس حد تک قوموں کو اور افراد کو اس گھوڑ دوڑ میں بازی لیجانے کے
قابل بناتی ہے تمام مغرب آجکل تعلیم کی Economic value یعنی تمدنی قیمت
کی تلاش میں محو ہے +

ہندوستانی تاحال تعلیم کی قیمت نہیں سمجھتے

بلکہ سچ پوچھو تو ہندوستانیوں نے تو ابھی تک تعلیم کی قیمت کا صحیح اندازہ بھی قایم نہیں کیا۔ اگر کسی بچہ کی تعلیم اس کو اس قابل نہیں بناتی کہ وہ اپنے غیر تعلیم یافتہ بھائی کے مقابلہ میں بہتر اور زیادہ روزی کما سکے تو اس کی تعلیم میں ضرور کچھ نہ کچھ نقص ہونا چاہیے اگر روزی کمانے کی قابلیت میں ایک یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ ایک مڈل یا انٹرینس تک تعلیم یافتہ شخص سے بہتر نہیں ہے تو اس کا کچھ خاص سبب ڈھونڈنا چاہیے ورنہ عام طور پر جسقدر تعلیم زیادہ ہو اسی قدر قابلیت روزی کمانے کی بڑھنی چاہیے ہمارا تجربہ ہمکو بتلاتا ہے کہ ہندوستان میں تعلیم یافتہ اشخاص کو ایسے پیشوں کی طرف لگاؤ نہیں ہے جہاں ہاتھوں کو سوائے نوشت کے اور کسی کام میں لگانا پڑے۔ اصل میں کم وبیش تمام دنیا میں محض ذہنی تعلیم کا یہی اثر پایا جاتا ہے جس شخص نے محض لبرل (عام) تعلیم حاصل کی ہے اس کا میلان طبع ایسے پیشوں اور کاموں کی طرف سے ہٹ جاتا ہے جن میں زیادہ تر ہاتھوں سے کام پڑے۔ اسی واسطے اب مغرب کے سکنڈری سکولوں میں "نیوال تعلیم" کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یعنی ذہنی تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے جسمانی قواء کا استعمال اور ان سے کام لینا سکھایا جاتا ہے۔ ڈراینگ یعنی نقشہ کشی کی تعلیم تو ابتدائی تعلیم ہی کا جزو ہے۔ مگر سکنڈری مدارس میں اس کے سوائے ترکھانی۔ لوہارگری۔ چھاپہ کا کام وغیرہ بھی سکھایا جاتا ہے۔ بعض مدارس میں یہ نیوال تعلیم ہفتہ میں دو گھنٹہ دی جاتی ہے اور بعض مدارس میں ہر روز نصف وقت تعلیم کا ذہنی تعلیم میں اور نصف وقت نیوال تعلیم میں خرچ ہوتا ہے اس نیوال تعلیم کی غرض دستکاری و حرفت صنعت کی تعلیم کے لئے تیاری نہیں ہے بلکہ اس کی اغراض یہ ہیں۔

(۱) کہ ہر ایک شخص کو ذہنی قواء کی تربیت کے ساتھ ہاتھوں کی تربیت ہو جاوے اور وہ اس قابل ہو جاوے کہ زندگی میں جس کام سے اسکو واسطہ پڑے [illegible] انجام دے سکے۔

(۲) یہ کہ اپنے ارد گرد کے "انڈسٹریل" جفاکش اور محنت سے بھری ہوئی زندگی کے ساتھ اسکو وسیع ہمدردی پیدا ہوجاوے اور وہ کسی اہل پیشہ کو سوشیل حلقہ میں محض اپنے پیشہ کے سبب رذیل یا قابل نفرت یا ناقابل سوشیل تعلقات کے نہ سمجھے۔

اس میں کچھ کلام نہیں کہ جو لوگ ابتدائی یا سکنڈری ذہنی تعلیم کے بعد ٹکنیکل پیشوں کی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے واسطے یہ فیوال تعلیم بہت ہی مفید ثابت ہوتی ہے مگر عام طور بھی اس قسم کی تعلیم متعلم کی اخلاقی اور ذہنی نشو ونما اور اس کی تربیت کے لئے بہت مفید مانی جاتی ہے لڑکے کو اوایل عمر میں ہی احتیاط سے اور صحت سے کام کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے +

اوستاد کے کام کی کیا پرکھ ہے
ایک اعلے امریکن مصنف کی رائے

ستمبر مہینہ کے فورم میں جو ایک اعلے درجہ کا امریکن رسالہ ہے سٹرینگ جو نیویارک کے سکول جنرل کے اڈیٹر ہیں اور تعلیمی معاملات پر جنکی رائے امریکہ میں مستند سمجھی جاتی ہے۔ اوستاد کے کام کی قیمت کی پرکھ حسب ذیل بتاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ "ہمیشہ یہ دیکھنا چاہئے کہ متعلم کے ماتا پتا اور اس کے ذاتی سمبندھیوں کی نگاہ میں اوستاد کے کام کی کیا قدر ہے۔ سکول محض ایک مرکز ہے ان تعلیمی ذمہ واریوں کے پورا کرنے کا جو والدین کی گردن پر ہیں اور جنکا ٹھیک ٹھیک بجالانا تمدن سوسائٹی اور ملک کے لئے ضروری ہے۔ والدین عموماً یہ چاہتے ہیں کہ اپنے لڑکوں کو عمدہ سے عمدہ چیز دیں پس اگر کوئی اوستاد اپنے شاگردوں کے والدین کو یہ نہیں دکھا سکتا کہ اس نے انکے لڑکے کو انکے حسب پسند تعلیم دی ہے تو وہ اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہوتا۔ زمانہ میں استاد کا کام دنیا کی روزمرہ زندگی سے ایسا علیحدہ اور برتر سمجھا جاتا ہے کہ اسکی قوم کی انڈسٹریل ترقی کے ساتھ کچھ واسطہ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ بعض استاد خاص طور پر اس امر کا فخر کیا کرتے تھے کہ ان سے جہاں تک ممکن ہوسکا انھوں نے اپنے شاگردوں کی تعلیم کو روزمرہ کی زندگی کی عملی ضروریات سے بہت پرے اور برتر رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ سکول سے عموماً

ایسی زیارت گاہوں cloisters کا کام لیا جاتا رہا جہاں ایسے شاخہائے علوم پڑہائی جاتی ہیں جنکو ایک دوسرے کے ساتھ کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اور دعوی یہ کیا جاتا تھا کہ لڑکوں کو پڑہانے کی خاطر پڑہنا۔ لکھائی کی خاطر لکھنا اور حساب کی خاطر حساب پڑہایا جاتا ہے نہ کہ اس خیال سے کہ ان چیزوں کا عملی زندگی سے کچھ واسطہ ہے اور وہ عملی زندگی کے واسطے مفید ہونگی۔ لیکن اب وہ زمانہ جاتا رہا اور سوسائٹی ہر ایک شاخ علم کی بابت اب یہ سوال کرتی ہے کہ روزمرہ کی عملی زندگی کے لئے وہ کہاں تک مفید ہے۔ اب یہ خیال زور پکڑتا جاتا ہے کہ تعلیم ایک National Investment ہے جسکے ذریعہ سے تعلیم پایا ہوا لڑکا یا لڑکی قوم اور ملک کی دولت بڑہاتے ہیں اور دیگر طرح اسکے واسطے مفید بنتے ہیں۔ اب کسی اوستاد کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے Fado یعنی اپنی من گھڑت تعلیمی اصولوں پر زیادہ زور دے۔ اور جو چیز ظاہرا بے فائدہ اور بے سود نظر آتی ہے اسکو عملی فائدہ کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے پریزیڈنٹ مسٹر الیٹ نے ہر ایک بچے کی تعلیمی اغراض کو حسب ذیل بیان کیا ہے "اول یہ کہ ہر ایک بچے کو وہ ابتدائی تعلیم ملنی چاہیئے جو ہر ایک معمولی درجہ کے انسان کی عملی ضروریات کے واسطے لازمی ہے۔ دوم اسکو صفائی سے سوچنا اور کام کرنا سکھانا چاہیئے سوئم اس میں یہ قابلیت پیدا کرنی چاہیئے کہ وہ اختصار اور صحت سے اپنا مطلب بیان کر سکے۔ چہارم اسکی سمجھ اور اسکی نیوال قابلیت یعنے ہاتھوں سے کام کرنیکی قابلیت کی وسیع تربیت ہونی چاہیئے الغرض ہر ایک متعلم کی تعلیم ایسی ہونی چاہیئے جس سے وہ دنیا کے کام میں اپنی قابلیت سے بلا کسی دوسرے کی امداد و سہارے کے شامل ہو سکے"

انگلستان کے ایک قابل تعلیمی ماہر مسٹر طامسن بارکلی امریکن تعلیم کی علت غائی یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے ایسے نوجوان پیدا ہوں جو ہر حالت میں اپنی ضروریات کو پورا کرنیکی قابلیت رکھتے ہوں اور جو کبھی مشکلات سے نہ گھبرا دیں۔

اس مندرجہ بالا بحث سے گو ہماری ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ تعلیم کی محض یہی غرض ہونی چاہیئے کہ اس سے تعلیم پایا ہوا نوجوان اچھی طرح روزی کما سکے تاہم ہم ... نہیں رہ سکتے کہ معمولی

سے پیچھے نہیں ڈالا جاسکتا۔ عام طور پر ہر ایک صاحب اولاد کے سامنے پہلا سوال یہی ہوتا ہے اور یہی ہو سکتا ہے کہ اُسکی اولاد معقول روزی کمانے کے قابل ہو۔ پس کوئی سلسلہ تعلیم جو اس سوال کا حل نہیں بتلاتا یا اس ضروری سوال کو پیچھے ڈالتا ہے عام لوگوں کے لئے مفید اور قابل پسند نہیں ہو سکتا۔ ہمارے مُلک کی افلاس زدہ حالت میں تو یہ سوال مجبوراً اہل اولاد کو سخت بیچین کر رہا ہے اور خواہ ہم کتنے اعلیٰ بھاؤوں کے نام پر اپیل کریں لوگوں کو یہ یقین دلانا ناممکن ہے کہ تعلیم کی اعلیٰ ترین اغراض میں سے یہہ غرض نہیں ہونی چاہیئے کہ لڑکا معقول روزگار کے قابل بنے۔ اندریں حالت میری یہ رائے ہے کہ ہمارے ملک میں تعلیم کی عام اشاعت کے لئے بڑا بھاری خطرہ ہے اگر کسی سبب سے عام لوگ یہہ رائے قایم کرنے پر مجبور ہوویں کہ تعلیم سے حصول روزگار میں کچھ مدد نہیں مل سکتی بلکہ انسان اپنے اَن پڑھ باپ دادا کے کام کے بھی ناقابل ہو جاتا ہے ؛

اس خطرہ کا قدرتی علاج یہہ ہے کہ تعلیم حکماً لازمی ہو

اس خطرہ کا سب سے عمدہ اور قدرتی علاج تو یہ ہے کہ تعلیم قانوناً لازمی ہو جاوے۔ ہر ایک ملک میں قوم و ملک کی مجموعی بہتری کی ذمہ وار اسکی گورنمنٹ ہوتی ہے۔ کیونکہ حکماء کی رائے میں ہر ایک قومی گورنمنٹ قوم کی حیثیت مجموعی میں اُس قوم کی قایمقام ہے۔ جو کام قوم کے افراد فرداً فرداً نہیں کر سکتے وہ کام سہولت انتظام اور فایدہ باہمی اور انتفاع عام کے لئے گورنمنٹ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ گویا گورنمنٹ کو قوم کی خدمت کے لئے منتخب اور مامور کیا جاتا ہے۔ انسا نونکے جس مجمع کو (خواہ اُنکا تعین اور انتخاب کسی طریقہ پر کیا جاوے) کوئی قومی انتظام کا کام سپرد کرتی ہے اسکو گورنمنٹ کہا جاتا ہے۔ گویا حکومت کے اختیارات کا منبع اور ماخذ خود رعایا ہوتی ہے۔ الّا سوائے اُن حالتوں کے جبکہ رعایا ایسی کمزور، کمدل اور بزدل ہو کہ کوئی بیرونی طاقت جبر اور زور سے حکومت کی عنان اپنے ہاتھ میں لے۔ جن ممالک میں قومی حکومت ہے وہاں تعلیم کا انتظام کرنا گورنمنٹ وقت کا فرض ہے اور یہ تمام سوالات کہ کسطرح تعلیم کو ہر دلعزیز، مفید۔ لازمی بنایا جاوے تاکہ قوم کا کوئی ممبر نہ صرف اُس سے بے بہرہ نہ رہے بلکہ پورے طور پر مستفید ہو کر قوم کی حالت مجموعی کے بہتر کرنے اور قومی دولت اور خوشحالی کے بڑھانے میں عملاً حصہ لینے کے قابل ہو گورنمنٹ وقت خود حل کرتی ہے

یوروپ اور امریکہ میں تعلیم ہر دلعزیز عام - لازمی اور مفت ہے

چنانچہ اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے یوروپ کے جملہ خود مختار ممالک میں تعلیم عام - لازمی اور بلا خرچ کے دی جاتی ہے - انگلستان اور امریکہ میں ۱۴ برس تک تعلیم لازمی اور بلا خرچ کے ہے متعلم کو نہ صرف تعلیم بلا خرچ دیجاتی ہے بلکہ تعلیم کے جملہ لوازمات پنسل - کتاب سلیٹ - کاغذ - قلم - دوات - آلات ڈرائنگ وغیرہ جملہ سامان مفت اور بلا خرچ مہیا کیا جاتا ہے - ۱۴ برس کی عمر کے بعد سکنڈری اور اعلیٰ تعلیم اور پروفیشنل تعلیم کے لئے ایسے انتظامات موجود ہیں کہ ہر ایک نوجوان جو ترقی کرنا چاہتا ہے وہ تھوڑے سے خرچ سے ترقی کر سکے - اس رسالہ کی ضخامت کے بڑھ جانے کا اندیشہ اس امر کا مانع ہے کہ ہم تفصیل سے انگلستان کے تعلیمی انتظامات کا بیان کر سکیں - یہہ تذکرہ کسی اور موقعہ پر علیحدہ پمفلٹ (رسالہ) کے ذریعہ سے کرنے کا خیال ہے - مگر تاہم اس موقعہ پر چند ایسے واقعات کا بیان کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اپنی قوم کی تعلیم کے معاملہ میں انگریزی گورنمنٹ کا خیال ذمہ واری کس درجہ کا بڑھا ہوا ہے - مختصراً ذیل کے واقعات سے آپ انگلستان میں تعلیم کی اشاعت کا اندازہ لگا سکتے ہیں -

(۱) کوئی شخص کسی بچہ کو (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی) جس کی عمر ۵ سال سے زیادہ اور ۱۴ برس سے کم ہے ایسے شرائط پر نوکر نہیں رکھ سکتا یا مزدوری میں نہیں لگا سکتا جس سے اسکول میں جانے کا وقت نہ ملے - ایسا کرنا جرم ہے :

(۲) ابتدائی تعلیم کے ایکٹ ۱۸۷۶ء کی دفعہ گیارہ میں حسب ذیل ہے :-

"اگر کوئی صاحب اولاد جس کا بچہ ۵ برس کی عمر سے زیادہ ہے (جس کو بموجب اس ایکٹ کے پورے وقت کیلئے کسی کام میں لگانیکی ممانعت ہے) عادتاً اور بلا کسی معقول عذر کے اپنے

ایسے بچے کی ابتدائی تعلیم کیلئے انتظام کرنے میں غفلت کرتا ہے یا اگر کوئی بچہ عادتاً آوارہ پھرتا
ہوا یا بلا مناسب نگرانی کے یا بدمعاشوں۔ آوارہ گرد یا جرائم پیشہ یا دیگر طرح سے
اشخاص کی صحبت میں ملے تو ہر ایک افسر مقامی کا فرض ہوگا۔ **Disorderly.**
کہ بچہ کے ماتا پتا کو مناسب تنبیہ کرنے کے بعد کسی عدالت بااختیارات سرسری کے پاس اس
امر کی شکایت کرے۔ ایسی عدالت کو اختیار ہوگا کہ بچہ کو کسی ابتدائی مدرسہ میں (جو صاحب اولاد
منتخب کرے یا جس کی صراحت مجسٹریٹ کے حکم میں درج ہو) داخل ہو کر تعلیم پانے
کا حکم دے۔ زیر دفعہ ہذا مندرجہ ذیل بواعث معقول عذر سمجھے جاوینگے۔
(الف) کہ بچہ کی جائے سکونت سے دو میل کے اندر (نزدیک سے نزدیک راستہ سے)
کوئی پبلک ابتدائی مدرسہ نہیں ہے۔ یا
(ب) بچہ کی مدرسہ سے غیر حاضری کا باعث بیماری یا کوئی دیگر ناقابل گذر باعث ہے
اسی ایکٹ کی دفعہ ۱۲ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی صاحب اولاد بلا وجہ معقول کے
کسی حکم زیر دفعہ ۱۱ کی تعمیل کرنے میں قصور کرے تو مجسٹریٹ کو اُسپر جرمانہ کرنیکا اختیار
ہوگا اور نیز یہ بھی اختیار ہوگا کہ بچے کو اُسکی حفاظت سے علیحدہ کر کے کسی انڈسٹریل
سکول میں داخل کئے جانے کا حکم دے۔
(۳) انگلستان میں تمام لاوارث یا آوارہ گرد۔ یا جرائم پیشہ والدین کی اولاد کی تعلیم
کیلئے خاطر خواہ انتظام موجود ہے۔ اُنکے لئے دستکاری کے مدرسے کھُلے ہیں جہاں ہر طرح سے
اُن کی تعلیم۔ نگرانی اور پرورش کا انتظام ہے۔ علاوہ تعلیم کے ان سکولوں کی کمیٹیاں بعد اختتام
تعلیم بچوں کو روزگار پر لگاتی ہیں۔
(۴) جو بچے اپنے والدین کے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں اور والدین اُن کی نگرانی نہیں
کر سکتے اُن کی تعلیم کیواسطے علیحدہ قسم کے سکول ہیں جنکو **Truant Schools.**
کہا جاتا ہے۔

ان ہردو قسم کی سکولوں میں اگر آپ سامان تعلیم و رہایش دیکھیں اور جس غور و احتیاط سے اُن کی جسمانی صحت اور اخلاقی تعلیم کے لئے بندوبست کئے گئے ہیں اُن کو مطالعہ کریں تو آپ شاید یہہ کہہ اُٹھیں کہ یہ سکول ہندوستان کے اُن اعلیٰ درجہ کے سکولوں سے بدرجہا بہتر ہیں جہاں لڑکوں کی تعلیم کیلئے ۲/ عہ سے شعہ تک ماہوار فیس ادا کرنی پڑتی ہے ان مدارس کی تعلیمی پالیسی کا اندازہ اس امر سے لگ سکتا ہے کہ اُن میں تعلیم کا اسٹینڈرڈ کسی طرح باقاعدہ اور معمولی سکولوں سے کم نہیں ہے اور بچوں کو ہر طرح سے خوش رکھنے اور مفید بنانے کی کوشش کیجاتی ہے تاکہ اُن کے دلوں پر کوئی نقش ایسا نہ ہو جس سے اُن کو اپنی خاص حالت پر افسوس یا رنج کرنیکا موقعہ ملے۔ چند سال ہوئے انگلستان میں محض ایسے سکولوں کا خرچ ۴۵ لاکھ روپیہ سے زیادہ تھا۔

(۵) اسکے علاوہ اندھوں۔ بہروں۔ لنگڑوں۔ لولوں اور ہر قسم کے اپاہج بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام علیحدہ ہے۔

(۶) مدارس میں طبی امتحان کا خاص و وافر انتظام ہے۔ لڑکوں کی آنکھ۔ کان۔ کمر چھاتی۔ ہاتھ۔ پیر۔ سر وغیرہ جملہ قواء کا وقتاً فوقتاً امتحان کیا جاتا ہے اور جو لڑکے ان قواء میں کسی کمزوری یا کمی کے باعث معمولی جماعتوں کے ساتھ کافی ترقی نہیں کر سکتے اُن کیلئے واسطے خاص جماعتیں کھولی ہوئی ہیں۔ جہاں اُن کی کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر ان کو تعلیم دی جاتی ہے۔

ہر ایک مدرسہ میں طبی معاینہ کنندہ افسر ہر ایک لڑکے کے متعلق مندرجہ ذیل امور کو نوٹ کرتا ہے۔

(الف) عمر

(ب) اونچائی

(ج) وزن

(د) آیا کپڑے کافی مناسب اور صاف ہیں یا نہیں۔ جوتوں کی کیا حالت ہے۔

(ر) بالوں آنکھ کی پلک۔ دانت۔ حلق۔ ناک۔ کانوں

کی عام حالت۔ عام صحت اور قوت کی حالت۔

(س) کوئی خاص خلاف معمول حالت

(۷) تمام صفائی اور خصوصاً سر کی صفائی کی طرف خاص توجہ کی جاتی ہے۔ دایا اس کام کے لئے متعین ہیں کہ ہر ایک مدرسہ میں لڑکوں کے سروں کا معاینہ کریں۔ معاینہ کا نتیجہ لڑکے کے میڈیکل ٹکٹ پر لکھ دیا جاتا ہے۔ اور کارڈ کے ایک طرف اس معاینہ کا نتیجہ درج کر کے والدین کو فہمایش کی جاتی ہے کہ پشت پر مندرجہ ہدایتوں پر عمل کر کے شکایت کو رفع کر دیں۔ پشت کارڈ پر صفائی اور علاج کی ہدائیتیں درج ہوتی ہیں۔ ایک ہفتہ کے بعد اگر معلوم ہووے کہ والدین نے اس فہمایش پر کافی توجہ نہیں دی تو پھر اُسکو ایک خاص نوٹس کے ذریعہ سے ایک ہفتہ دیگر کی مہلت دیجاتی ہے۔ اور یہہ اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر اس ہفتہ میں بھی تعمیل نہ ہوئی تو لڑکے کو مدرسہ سے علیحدہ رکھا جاویگا اور تمہارے برخلاف مقدمہ بنایا جاویگا کہ تم نے لڑکے کو اچھی حالت میں مدرسہ نہیں بھیجا ؛

(۸) جو لڑکے متعدی امراض میں مبتلا ہوں یا ایسے علاقوں یا گھروں سے آویں جہاں امراض متعدی پھیلے ہوئے ہوں اُن کی تعلیم کا انتظام دوسرے تندرست لڑکوں سے علیحدہ کیا جاتا ہے ؛

(۹) جو لڑکے معمولی سے کم قوت ذہنی رکھتے ہیں اُن کی تعلیم کا خاص انتظام ہے۔ تاکہ معمولی جماعتوں میں اُن کی شمولیت سے اچھے لڑکوں کی ترقی میں رکاوٹ نہ ہو۔ اور خود اُن کو اچھے لڑکوں کے ساتھ تعلیم پانے پر مجبور کئے جانے سے اُن کا نقصان نہ ہو۔ پس جہاں ذہین اور ہوشیار لڑکوں کی ترقی کا خاص خیال ہے وہاں کم درجہ کے ذہین اور سُست یا دماغی طاقت میں کمزور لڑکوں کی تعلیم کا بھی پورا پورا خیال ہے اور دونوں

کیلئے تعلیمی انتظام علیحدہ علیحدہ ہیں - اس سے بھی نیچے ایک اور جماعت ہے جن کے دماغی قواء پیدائشی کمزور ہیں انکے لئے علیحدہ سکول ہیں -

غرض ۵ برس سے زاید عمر کا کوئی بچہ خواہ کیسا ہی غریب - شریر - ناقص العقل - سست - اندھا بہرا - لولا یا آوارہ کیوں نہ ہو تعلیم سے بے بہرہ نہیں رہتا

امریکہ میں تعلیم کی اشاعت

اسی طرحسے اگر آپ امریکہ کی تعلیمی رپورٹوں وغیرہ کا ملاحظہ کرینگے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہاں تعلیم پر کتنا زور ہے - صوبجات متحدہ امریکہ میں بعض صوبے ایسے ہیں جہاں کل محاصل سرکاری کا ⅓ حصہ تعلیم پر خرچ کر دیا جاتا ہے اور شروع تعلیم سے لیکر اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹی تعلیم بلا خرچ اور مفت دیجاتی ہے -

سنہ ۱۹۰۳ء میں لارڈ موزلے صاحب ایک انگریز رئیس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ انگلستان کے طریقہ تعلیم میں اصلاح کرنے کی غرض سے ایک کمیشن واسطے تحقیقات تعلیمی امریکہ بھیجا جاوے - چنانچہ وہ اپنے خرچ پر انگلستان کے ۲۶ تعلیمی ماہروں کو اپنے ہمراہ صوبجات متحدہ امریکہ میں لیگیا اور وہاں اُنہوں نے تین ماہ کامل وہاں کے تعلیمی درسگاہوں کے معاینہ و ملاحظہ میں خرچ کئے - ان ۲۶ اصحاب کی رپورٹیں موزلے صاحب نے اکٹھی کرکے شایع کرائی ہیں - یہ مجموعہ ۴۰۰ صفحہ کی ضخامت پر ہے اور اس قابل ہے کہ تعلیم کے معاملہ میں دلچسپی رکھنے والے انسان ضرور ایک دفعہ اُس کو پڑھیں اس مجموعہ میں سے چند اقتباسات میں اپنے ناظرین کے فایدہ کیواسطے ذیل میں درج کرتا ہوں -

(۱) موزلے صاحب کی راے (نوٹ) ترجمہ لفظ بہ لفظ نہیں کیا جاویگا بلکہ اپنی زبان میں مطلب ادا کرنے کی کوشش کی جاویگی -

"منجملہ دیگر باتوں کے ایک بات جس کا میں نے کل صوبجات متحدہ میں مشاہدہ کیا یہ ہے کہ

صوبجات مذکورہ میں کسقدر کثیر رقوم تعلیمی اغراض کیلئے خرچ کی جاتی ہیں۔ مکانات عالیشان ہیں اور سامان وافر۔ اُستادوں میں ایک خاص قسم کے جوش کی آگ شعلہ زن ہے اور ہر عمر کے طالبعلموں میں علم کی پیاس بدرجہ کمال معلوم ہوتی ہے۔ ہماری تعلیم کے مقابلہ میں (ہماری سے مراد اہل انگلستان کی ہے) جو بہت حد تک کلاسیکل ہے (یعنی جس میں زبانہائے قدیم مثل لاطینی و یونانی پر زیادہ زور ہے) میں نے یہ دیکھا کہ امریکہ میں زیادہ پریکٹیکل (یعنی عملی ضروریات کے) مضامین کی تعلیم دیجاتی ہے اور ٹکنیکل سکول اور کالج ہر جگہ پر پائے جاتے ہیں۔ جو لوگ پیشوں میں داخل ہونا چاہتے ہیں اُن کیواسطے زبانہائے قدیم کے مطالعہ کے بہت عمدہ موقعے ہیں مگر معمولی لڑکوں کے لئے جن کو دُنیا میں روزی کمانے کیواسطے جدوجہد کی ضرورت ہے زیادہ حصہ وقت کا اُن پریکٹیکل (عملی) مضامین کے مطالعہ میں خرچ ہوتا ہے جو طالب علمی کے بعد اس کے کارآمد ہوں × × × × × × × ×

امریکن طریقہ تعلیم سے جس قسم کے آدمی پیدا ہوتے ہیں اُن کے چند نمونے بیان کرتا ہوں مثلاً پریزیڈنٹ مسٹر ٹلمر جو نہ صرف اعلیٰ فضیلت اور کمال درجہ کی علمی لیاقتوں کا آدمی ہے بلکہ جسمیں ریلوے کے پریزیڈنٹ اور چیرمین بننے کے لئے جو نظم و نسق وغیرہ کا مادہ درکار ہے وہ بھی موجود ہے ؛

اور پریزیڈنٹ الیٹ (آف ہارورڈ یونیورسٹی) جو نہ صرف یونیورسٹی کا پریزیڈنٹ ہے بلکہ سول معاملات میں کامل دسترس رکھتا ہے اور معاملات تمدنی میں عملی حصہ لیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

امریکہ میں دوسرا امر جس نے میری طبیعت پر نقش چھوڑا وہ عوام الناس کی تعلیم میں اہل امریکہ کا کمال اعتقاد ہے۔ اہل امریکہ نہ صرف یہ یقین رکھتے ہیں کہ بغیر تعلیم کے اُن کا ملک ترقی نہیں کرسکتا اور نہ خوشحال ہوسکتا ہے بلکہ وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ بغیر تعلیم کے

عوام الناس کا اخلاق اعلیٰ درجہ کا نہیں ہو سکتا - اُن کی رائے میں ایک کثیر تعداد خلقت کو جیلخانوں - غریب خانوں - یتیم خانوں وغیرہ میں پرورش کرنے کی بجائے یہ بہتر ہے کہ اُن کو تعلیم دیکر روزی کمانے کے قابل بنا دیا جاوے - تمام امریکہ میں یہ خیال عالمگیر ہے کہ تعلیم سے ہی اُن کی نجات ہے اور تعلیم سے ہی اُن کا بچاؤ ہے -

The Education is their safety and salvation.

چنانچہ انگریزی قوم کو اپیل کرتے ہوئے موزلے صاحب فرماتے ہیں کہ " دیانتداری - شجاعت - بہادری استقلال اور بہت سے دیگر اوصاف جو اہل برطانیہ میں ہیں بذات خود بہت اچھے ہیں لیکن آج اُن سے کچھ فایدہ حاصل نہ ہوگا جب تک اُن کے ساتھ امروزہ اعلیٰ سے اعلیٰ پریکٹیکل سائنٹفک گیان نہ پھیلایا جاوے اور اس اخرالذکر مطلب کا حاصل ہونا اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ تعلیم ایسی وسیع اور اسکے طریقے - ایسی اعلیٰ اور ایسے روشن اور فراخ ہوں جیسے کہ ممالک متحدہ امریکہ میں ہیں - اپنی رپورٹ کے خاتمہ پر موزلے صاحب فلاڈلفیا کے ایک نامہ نگار کی چٹھی میں سے ایک فقرہ نقل کرتے ہیں جس کو میں ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کرونگا اور بجنسہ ذیل میں نقل کرتا ہوں -

Conservative Schoolmen are never apt to approve of any fundamental improvement in educational methods. Such people in our country must be compelled to stand aside for the march of events. We cannot wait for them to die as nations have done in past centuries. The development of steam engine, the application of electricity, the growth of great cities, have come on so rapidly, utterly changing not only parental relatives for a large part of the people, but also many industrial, moral and civic conditions that we find ourselves all at once up against several problems of vast importance and we conclude that they must be solved by means of the schools. *Old methods, however, will not answer the purpose of new conditions* which demand intelligent training in the practice as well as the theory of morals and citizenship as in engineering in its various branches.

(ترجمہ) کنسرویٹیو سکول کے آدمیوں سے یہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ طریقہ تعلیم میں کوئی ایسی تبدیلی کرنا پسند کریں جس سے تعلیم کے اصول ہی بدل جاویں۔ ہمارے ملک میں ترقی کی رفتار کیلئے یہ ضروری ہے کہ ایسے آدمیوں کو راستہ کے ایک طرف کھڑا رہنے پر مجبور کیا جاوے :

بھاپ اور بجلی کی طاقتوں کے نشو ونما سے اور بڑے بڑے شہروں کے بڑھ جانے سے نہ صرف اُن تعلقات میں ایک عظیم تبدیلی پیدا ہوگئی جو صاحب اولاد اور اولاد کے مابین تھے بلکہ بہت سی انڈسٹریل (حرفتی)۔ اخلاقی اور سول حالتوں میں بھی ایسا انقلاب عظیم ہوگیا کہ ہمارے سامنے بعض نہایت اہم سوال کھڑے ہوگئے جو صرف مدرسوں کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اب پُرانے طریقوں سے گذارہ نہیں ہوگا۔ اور ان تبدیل شدہ حالات میں ضروری ہے کہ جدید اخلاق کے علم اور عمل دونوں میں لڑکوں کو ویسی ہی اعلےٰ تربیت ملے۔ جیسی کہ علم انجینیرنگ کی مختلف شاخوں میں ملتی ہے۔

مسٹر آرتھر انڈرٹن کی رائے ۔ مسٹر آرتھر انڈرٹن صاحب جو انگلستان اور ویلز کی کونٹی کونسل ایسوسی ایشن کے پرتی ندھی ہو کر گئے تھے اپنی رپورٹ کے خاتمہ پر حسب ذیل نتائج اخذ کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ امریکہ میں عام طور پر کُل قوم کا یہ یقین ہے کہ کسی ملک کی کامیابی کی عمارت تعمیر کرنے کے واسطے نہایت ضروری ہے کہ ایک عمدہ اور ہر طرح سے مناسب

Sound,) عام تعلیم پر زور دیا جاوے۔ چنانچہ اس خیال کا یہ نتیجہ ہے کہ امریکہ میں کثیر رقوم ابتدائی اور ہائی سکول قایم کرنے اور اُن میں مکمل سامان تعلیم اور اُن کیلئے عمدہ عمارتیں مہیا کرنے کے لئے خرچ کی جاتی ہیں اور یہ تعلیم ہر ایک کو بلافیس مفت دیجاتی ہے ؛

(۲) عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی درسگاہوں میں خاص مضامین میں مہارت پیدا کرنے کے لئے یہہ ضروری ہے کہ اس خاص تعلیم کی بنیاد میں ایک عمدہ قسم کی جنرل تعلیم ہو۔

(۳) تمام بڑے بڑے کارخانوں۔ کمپنیوں۔ کمیٹیوں وغیرہ کے سربراوردہ لوگ اعلیٰ درجہ کی تعلیم کی قدر کرتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اشخاص کی مانگ اس قدر بڑھ رہی ہے کہ ضرورت پوری نہیں ہوتی۔

(۴) چونکہ سکنڈری سکولوں کی تعلیم کا حلقہ وسیع اور لبرل ہے اور اُن میں تعلیم پبلک کو کھلی ہے اُسکا نتیجہ یہہ ہے کہ کالجوں کے لئے ایک نہائت لائق جماعت طلباء کی ملتی ہے جو اعلیٰ ترین تعلیم کے قابل پائے جاتے ہیں ؛

(۵) عام طور پر امریکن طریقۂ تعلیم انگلستان کے طریقۂ تعلیم کے مقابل میں زیادہ پریکٹیکل یعنی عملی ہے۔ وغیرہ

پروفیسر آرم سٹرونگ
پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایل۔ ایل ڈی
ایف۔ آر۔ ایس کی رائے

(۱) امریکہ میں معمولی طور پر بیوپار عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور قوم کی سوشیل حالت پر اُنکا بہت اثر پڑتا ہے۔ وہ اشخاص بھی جو اپنے لڑکوں کو خاص پرائیویٹ ہائی سکولوں میں بھیجنا چاہتے ہیں وہ بھی کچھ عرصہ ان کو معمولی مدرسوں میں بھیجتے ہیں تاکہ وہاں اُن کو جملہ اقسام کے بچوں سے ملنے کا موقعہ ملے۔

(۲) کارخانجات وغیرہ میں یونیورسٹی تعلیم یافتہ نوجوان قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے

ایک نامہ نگار کی چٹھی میں سے ایک فقرہ نقل کرتے ہیں جس کو میں بجنسہٖ ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

ہیں اور اُن کی مانگ بڑھ رہی ہے جس سے اعلیٰ تعلیم میں وشواس سود در سود کی شرح سے بڑھ رہا ہے۔

(۳) امریکن مدارس میں حب الوطنی کی تعلیم پر خاص زور دیا جاتا ہے اور مدارس میں قومی جھنڈے کو ہر روز سلام کرایا جاتا ہے۔

(۴) امریکہ میں اُستاد اور شاگرد کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں۔ نہ کہ مخالفانہ اُستاد لڑکوں کو آزادانہ رائے ظاہر کرنے اور بحث کرنے کا پورا موقعہ دیتا ہے اور اُسکی رایوں اور اُسکے خیالات کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور بطور دوست اور صلاحکار کے اُسکو تعلیم دیتا ہے۔

پروفیسر ایرٹن الیف۔ آر۔ ایس کی رائے ہے کہ برقی انجینیری (electrical) کی تعلیم میں ممالک متحدہ امریکہ انگلستان سے بہت بڑھا ہوا ہے۔

مسٹر کوورڈ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ عام طور پر سارے صوبجات متحدہ میں سکول سسٹم قریباً ایک جیسا ہے۔

۴ برس کی عمر سے ۶ برس تک	کنڈرگارٹن
۶ برس سے ۱۴ برس تک	ابتدائی مدارس
۱۴ برس سے ۱۸ برس تک	ہائی سکول

اس کے بعد یونیورسٹی

یہہ تمام درسگاہیں مطلقاً (Free-) ہیں یعنی جنمیں تعلیم کے لئے کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ کتب اور کُل دیگر سامان تعلیم مفت دیا جاتا ہے۔

علاوہ معمولی مدارس کے جن میں دن میں تعلیم دیجاتی ہے شام کے مدارس بکثرت ہیں جنمیں اُن نوجوانوں کو ترقی کرنے کے موقعے ہیں جن کو ابتدائی تعلیم کے بعد روزی کمانے کے کام میں مصروف ہونا پڑتا ہے۔ ان شام کے مدارس میں ہر قسم کے مضامین عام و ٹکنیکل پڑھائے

جاتے ہیں۔ اُنکے ساتھ کتب خانے وسیع۔ سامان عالیشان اور آلات بکثرت ہیں۔ علاوہ اسکے جمناسیم۔ میوزیم۔ تالاب وغیرہ کا بھی انتظام ہے۔ شہر نیویارک میں ان شام کے سکولوں پر ۱۵ لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ معمولی دن کے مدارس میں فی طالب علم اوسطاً ۵۰۱۲ روپیہ خرچ آتا ہے۔ شہر نیویارک میں ایام تعطیلات میں طلبار کے کھیلنے کے لئے پبلک میدانوں پر قریباً دو لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اسلئے ایام تعطیلات کے لئے خاص مدرسوں کا انتظام ہے جنمیں طالب علم زیادہ عمدہ وکھُلی آب وہوا میں یا کسی پہاڑ پر یا سمندر میں کسی جزیرہ میں یا کسی اور ایسی ہی صاف وپاکیزہ جگہ پر تعلیم پا سکیں

اہل نیویارک کا یہ خیال ہے کہ خواہ پبلک کا کتنا ہی صرفہ کیوں نہ ہو جاوے مگر ہر ایک نوجوان کو یہ موقعہ ملنا چاہئیے کہ وہ بلا قیمت عمدہ اور مکمل تعلیم پا سکے۔

مسٹر کوورڈ اپنی رپورٹ میں حسب ذیل ہندسہ دیتے ہیں :۔

کُل آبادی صوبجات متحدہ کی	۷۸۵۴۴۸۱۶	کم از ۸ کروڑ
" بچوں کی جنکی عمرہ سے لیکر ۱۸ برس تک کی ہے	۲۲۲۶۱۸۶۳	قریب سوا دو کروڑ
" " جو پبلک مدارس میں تعلیم پاتے ہیں	۱۵۹۲۵۸۸۷	اوسط ۷۱۵۴٪ زائد از ۱½ کروڑ
" " جو پرائیویٹ سکولوں میں تعلیم پاتے ہیں	۱۰۰۰۰۰۰	دس لاکھ

نیویارک میں ایک مدرسہ میں ۵ ہزار طالب علم ہیں۔ معمولی طور پر فی ابتدائی مدرسہ اوسطاً ۲۵۰۰ طالب علم ہیں

ڈی ویٹ کلنٹن ہائی سکول میں تجارتی تعلیم دی جاتی ہے۔ تعداد طلبار ۳۰۰۰۔ لڑکیوں کے ویڈیے ہائی سکول میں تعداد طلبا ۲۵۰۰۔ اس مدرسہ کی عمارت پر زاید از

۲۰ لاکھ روپیہ خرچ آیا ہے ۔ پرنسپل صاحبہ کی تنخواہ پندرہ ہزار روپیہ سال ہے اوراس کے ماتحت ۱۰۵ اُستانیاں ہیں ۔

گیبرڈ کالج ۔ ایک یتیم خانہ کا نام ہے جس میں ۵۰۰ لڑکوں کی پرورش اور تعلیم کا انتظام ہے ۔

بوسٹن میں ایک شام کی تعلیم کے مرکز میں ۳۰۰۰ (تین ہزار) طالب علموں کا انتظام ہے جس پر ایک جاڑے میں تیس ہزار سے زاید خرچ آتا ہے ۔

ہارورڈ یونیورسٹی میں چار ہزار طالب علم ہیں ۔ اس یونیورسٹی میں طالب علم ۹۰۰ روپیہ سال سے لیکر ۱۵۰۰ روپیہ سال تک کے خرچ سے تعلیم پاسکتا ہے

ڈیٹن ایک قصبہ کی آبادی قریب نوے ہزار کے ہے ۔ اُس شہر میں تیس ابتدائی مدارس ہیں جن میں بارہ ہزار طالب علم تعلیم پاتے ہیں ۔ ایک ہائی سکول ہے جس میں ۱۲۰۰ طلباء ہیں ۔

اپنی رپورٹ کے اخیر میں مسٹر کوورڈ یہہ تحریر کرتے ہیں کہ تمام اہل امریکہ کے دل میں تعلیم کی خوبیاں نہایت گہرے طور پر گڑی ہوئی ہیں نہ صرف اسوجہ سے کہ تعلیم ۔ تعلیم پانیوالے کے لئے مفید ہے بلکہ اسواسطے کہ وہ قومی خوشحالی اور قومی حفاظت کیواسطے اُسکو نہایت ضروری سمجھتے ہیں ::

ریورینڈ فنلے صاحب اپنی رپورٹ میں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ عام طور پر سوائے خاص مستثنیات کے امریکن تعلیم کی یہہ غرض ہے کہ ہوشیار ۔ سمجھدار ۔ مستعد ۔ باخبر کاروباری آدمی و عورتیں بنائی جاویں بجائے اسکے کہ عالم و فاضل سوچنے والے آدمی نکالے جاویں ۔

ہر ایک تعلیمی مضمون کی علت غائی یہ سمجھی جاتی ہے کہ اس سے متعلم فوراً فایدہ اُٹھا سکے ۔ ایک دیگر موقعہ پر وہ لکھتے ہیں کہ تجارتی مدارس میں سب سے عمدہ وہ ہیں کہ جو بڑے بڑے

کارخانہ داروں نے اپنے کارخانوں کے تعلق میں قایم کئے ہیں جنمیں امیدواروں کو وہ سائنٹفک اصول پڑھائے جاتے ہیں جن کے علم کی کارخانوں میں روزمرہ ضرورت ہوتی ہے۔

مسٹر فلچر صاحب تحریر کرتے ہیں (۱) ڈیرلپوورکس کا مینجر ہر سال دو یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ نوجوان بھرتی کرتا ہے۔ اس امید سے کہ کم از کم ایک تو اُن میں سے اس قابل ثابت ہوگا کہ مادۂ انتظام و صائب رائے کے لحاظ سے حکومت کے لایق ہو۔ وہ اپنے دفتر میں ہائی سکول سے کم درجہ کے تعلیم یافتہ لڑکوں کو بھرتی نہیں کرتا۔

(۲) ایک بڑے خوردہ فروش سٹور کے مینجر نے جسکے ماتحت کثیر تعداد ملازمان کی ہے مجھ سے کہا کہ میں ہمیشہ ایسے لڑکے منتخب کرتا ہوں جن کے چہرے روشن ہوں اور جو اچھی ماتاؤں کی سنتان ہوں۔ عموماً ہائی سکول پاس کردہ لڑکوں کو لیتا ہے۔ کالج کا تعلیم یافتہ جب کبھی مل جاتا ہے تو غنیمت سمجھتا ہوں۔

سنہ ۱۹۰۹ء میں صوبجات متحدہ میں ۶۰۰۰ (چھ ہزار طالب علم) یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد مزید مطالعہ کے کام میں مصروف تھے

صاحب مذکور مینوال ٹریننگ (یعنی عام مدارس میں جو تربیت ہاتھ کے کاموں میں دی جاتی ہے) کے متعلق کہتے ہیں کہ اسکی غرض چنداں دستکاری سکھانا نہیں ہے بلکہ علم تربیت ہے۔ اُن کے نزدیک لکڑی اور دھات کے کام سے جو اس سلسلہ میں سکھایا جاتا ہے وہی فایدے متصور ہیں جو لاطینی یا خالص سائنس کی تعلیم سے اس قسم کے تعلیم یافتہ لڑکے جیسے اچھے انجنیئر بنتے ہیں ویسے ہی اچھے ڈاکٹر یا کاروباری آدمی یا استاد یا وکیل بن سکتے ہیں۔ غرض اس تعلیم کی عمدہ عادات کا قایم کرنا صحت سے کام کرنے کی عادات کا ڈالنا۔ کسی خاص کام پر پوری توجہ لگانیکا عادی بنانا

کسی قسم کے کام سے نفرت نہ کرنا۔ مزدوری پیشہ جماعتوں سے لگاؤ پیدا کرنا۔ موخرالذکر اشخاص کے کام کی عمدہ نگرانی کرنے کے قابل بنانا وغیرہ وغیرہ ہے

وہ لکھتے ہیں کہ کیمبرج کی یونیورسٹی میں بہت سے طالبعلموں کا خرچ ۳۰۰ روپیہ سالانہ کے قریب ہے اور زبانی صاحب چانسلر کے معلوم ہوا کہ ۵۰ فیصدی طالب علم اپنا کل خرچ اپنی محنت مزدوری سے نکال لیتے ہیں اور ۸۰ فیصدی جزاً

مختصر نتیجہ - المختصر ان جملہ ماہران تعلیم نے اپنی رپورٹوں میں اسبات پہ زور دیا ہے (۱) کہ اہل امریکہ کو تعلیم میں بہت بڑا اعتقاد ہے۔ وہ اسکو نہ صرف شخصی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں بلکہ قومی بہبودی اور قومی حفاظت کیلئے نہایت اہم سمجھتے ہیں۔

(۲) سرکار امریکہ اور امریکن کمیٹیاں اور کارخانہ داران اور دیگر خیر مزاج اصحاب تعلیمی سامان۔ تعلیمی مکانات اور ہر قسم کی تعلیم کے لئے انتظام کرنے کے لئے بیشمار روپیہ خرچ کرتے ہیں اور تعلیم کو سب سے بہتر اور سب سے عمدہ اور سب سے مفید نتائج نکالنے والا قومی یا شخصی سرمایہ (Investment,) سمجھتے ہیں۔

(۳) تعلیم امریکہ میں ابتدائی مدارس میں بلا لحاظ لڑکی و لڑکے کے مفت ہے۔ اکثر صوبجات میں ہائی سکولوں تک مفت ہے۔ بعض صوبجات میں یونیورسٹی کی تعلیم بھی مفت ہے۔

(۴) تعلیم کے ساتھ تعلیمی سامان بھی سب مفت ہے۔

(۵) تعلیم نہایت عملی (Practical,) اور (Businesslike,) ہے زیادہ تر زور ان مضامین پر ہے جو ہر ایک معمولی انسان کی زندگی میں کام آتے ہیں اور جن سے روزی کمانے میں مدد ملتی ہے۔ علاوہ ان عملی مضامین کے زیادہ زور کیرکٹر بنانے پر دیا جاتا ہے

اور غرض یہ رکھی جاتی ہے کہ عموماً نیک مزاج۔ محب وطن۔ ہمدرد قوم۔ اپنی روزی خود کمانیوالے۔ وقت ضرورت اپنے پر بھروسہ رکھنے والے۔ آزاد طبع۔ آزادی پر دلدادہ۔ آزادی کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنیوالے۔ نوجوان پیدا ہوں۔

(۶) لڑکوں اور اُستادوں کے تعلقات دوستانہ ہیں۔ اُستادوں کو اپنے کام سے نہایت پیار ہے اور وہ جوش و سرگرمی سے اپنے فرایض انجام دیتے ہیں۔ لڑکوں کو آزادانہ بحث کا موقع دیتے ہیں اور اُن میں خود سوچنے اور بیدھڑک رائے ظاہر کرنیکی عادت ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امریکین مدارس میں عموماً نہ تادیب سے و نہ تازیانہ سے کام لیا جاتا ہے اور نہ کارکردگی کے عوض انعامات و وظایف دیئے جاتے ہیں۔ موخرالذکر طریقے اُس مُلک میں معیوب گنے جاتے ہیں اور اُن کی نسبت خیال یہ ہے کہ اُنسے تعلیم میں کمینہ پن اور کم ظرفی کی عادات پیدا ہوتی ہیں۔ البتہ بعض نوجوانوں کو ضروریات پورا کرنے کی غرض سے وظایف دیئے جاتے ہیں۔

(۷) امریکہ میں سب حیثیت کے طالبعلم اوایل عمر میں خصوصاً اور بعد ازاں عموماً ایک ہی مدارس میں تعلیم پاتے ہیں جس بیچ پر ایک جوتا صاف کرنیوالے قُلی کا لڑکا بیٹھتا ہے اسی بیچ پر ممالک متحدہ کے حکمران وقت (صاحب پریزیڈنٹ) کی اولاد بھی تعلیم پاتی ہے۔

(۸) امریکین تعلیم یافتہ جماعت میں تحقیقات اور جستجو اور تجربہ کی عادت خاص طور پر ترقی پر ہے۔

(۹) امریکہ میں ہر ایک پیشہ میں۔ ہر ایک کاروبار میں۔ ہر ایک روزگار میں اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص کو کم درجہ کے تعلیم یافتہ شخص پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اور اعلیٰ تعلیم کی قدر کی جاتی ہے۔

(۱۰) خاص مضامین۔ مثلاً تجارت۔ سائینس۔ دستکاری۔ حرفت وغیرہ کے لئے کافی دواقی سامان موجود ہیں۔ کثرت سے ٹکنیکل سکول و کالج موجود ہیں

(۱۱) جو لوگ غربت کی وجہ سے اپنی تعلیم مکمل نہیں کر سکتے اُن کیواسطے شام کے مدرسوں میں اعلیٰ درجہ کا انتظام مہیا کیا گیا ہے تاکہ جس قدر ترقی وہ کرنا چاہیں کر سکیں۔

(۱۲) جسمانی تعلیم و صحت کا خیال نہایت اہم ہے۔ وغیرہ وغیرہ

ہمارے ملک کی تعلیمی حالت کا مقابلہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہمارا جملہ معترضہ بہت لمبا ہو گیا۔ ہم اپنے سلسلہ میں یہہ بیان کرنے لگے تھے کہ روزگار کی کمی کی وجہ سے جو اندیشہ ہماری تعلیمی امیدوں کو ہے اُسکا ایک قدرتی علاج یہ تھا کہ گورنمنٹ حکماً تعلیم لازمی اور مفت کر دیتی۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ہماری گورنمنٹ کا فی الحال کوئی منشاء ایسا کرنیکا نہیں ہے اس ملک میں نہ صرف تعلیم لازمی نہیں ہے بلکہ مفت بھی نہیں ہے۔ ابتدائی تعلیم سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک صاحب اولاد کو اپنی اولاد کی تعلیم پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔

ہندوستان و انگلستان کی فیس کا مقابلہ اور اگر اس ملک کی اوسط آمدنی کا دیگر یورپین ممالک کی اوسط آمدنی سے مقابلہ کیا جاوے۔ تو معلوم ہوگا کہ ہمارے ملک میں جملہ قسم کی تعلیم نہایت گراں ہے۔ ہمارے ملک میں سرکاری حساب کے بموجب اوسط آمدنی فی کس ۳۰ روپیہ سالانہ ہے۔ غیر سرکاری حساب سے صرف اٹھارہ روپیہ سالانہ ہے۔ انگلنڈ میں اوسط آمدنی فی کس ۵۷۰ روپیہ سالانہ ہے جس حساب سے اہل انگلستان کی اوسط آمدنی اہل ہندوستان کی اوسط آمدنی سے ۲۰ گُنے سے زیادہ ہے۔ کیا کوئی شخص یہہ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے

ملک میں جو فیس گورنمنٹ کالجوں میں سرکار لیتی ہے یا جس فیس کے لینے پر امدادی اور غیر امدادی کالجوں کو مجبور کرتی ہے اُن کو انگلستان کے کالجوں کی فیس سے وہی نسبت ہے جو ہماری اوسط آمدنی کو اہل انگلستان کی اوسط آمدنی سے ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔اے کلاس میں دس روپیہ فیس محض تعلیم کی ہے۔ کیا کوئی شخص ہم کو یہہ بتا سکتا ہے کہ کیمبرج اور آکسفورڈ کے کسی کالج میں محض تعلیم کی فیس ۲۲۵ روپیہ ماہوار تک پہنچتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ حالانکہ دونوں مقامات کی تعلیم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر کسطرح کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم ارزاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں ہر قسم کی تعلیم سخت گراں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم عام طور پر پھیلنے نہیں پاتی اور بجائے دن بدن تعلیم کو ارزاں اور وسیع کرنے کے گورنمنٹ دن بدن تعلیم کو گراں اور محدود کرتی جاتی ہے۔

کیا ابتدائی تعلیم پر گورنمنٹ کافی توجہ کرتی ہے؟

کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کا یہ فرض نہیں ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے لئے محاصل عام خرچ کرے ہم نے مندرجہ بالا اقتباسات سے یہہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ یہہ خیال کیسا غلط ہے۔ تاہم کیا گورنمنٹ اس ملک میں ابتدائی سکولوں پر کافی روپیہ خرچ کرتی ہے۔ آپ کو میں نے مندرجہ بالا اقتباسات سے بتلایا کہ انگلنڈ اور امریکہ میں ۹ برس میں جو تعلیم دیجاتی ہے اسکا نام ابتدائی تعلیم ہے۔ یہاں صرف ۵ برس میں ابتدائی تعلیم ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس تعلیم پر بھی صاحب اولاد کو اوسطاً ۱/۲ حصہ کل خرچ کا دینا پڑتا ہے۔ ہندوستان میں ۱۹۱۰ء کے نقشہ جات کے بموجب ۳ روپیہ سال فی طالب علم ابتدائی تعلیم پر خرچ کرتے ہیں جن میں سے ۱۲ فی سالی صاحب اولاد دیتے ہیں۔ کیا ہم کو انگریزی حکام بتا سکتے ہیں کہ دنیا کے کسی تہذیب یافتہ ملک میں تعلیم ایسی گراں ہے۔ اس ... ہیں۔ بلکہ کوسوں تک

جن کے نزدیک کوئی شکوک نہیں

لوگوں کے خیالات گورنمنٹ پالیسی کی نسبت

ایسی صورت میں اگر ہم کو یہ شکایت ہو کہ ہماری گورنمنٹ جو نہایت اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ۔ ہوشیار لائق برجستہ آدمیوں کا مجموعہ ہے ہم کو ارادتاً جاہل رکھنا چاہتی ہے۔ تو کیا ہماری شکایت بیجا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہم کو یہ شبہ ہے کہ گورنمنٹ بلحاظ پالیسی اس ملک میں عام تعلیم کے برخلاف ہے اور دل سے تعلیم کی ترقی نہیں چاہتی تو کیا لوگوں کے شبہات محض بے بنیاد ہیں۔ جہاں گورنمنٹ کروڑہا روپیہ فضول اصراف میں خرچ کرتی ہے۔ کروڑہا روپیہ ایسے محکمہ جات پر خرچ کرتی ہے جو ملک کے لئے غیر مفید ہیں۔ کروڑہا روپیہ غیر لوگوں کو دیتی ہے۔ وہاں کیا یہ گورنمنٹ کا فرض نہیں ہے کہ ملک میں ہر قسم کی تعلیم کو بڑھانے کا انتظام کرے اور خصوصاً ابتدائی تعلیم کو لازمی اور مفت کردیوے۔ بہرحال صورت موجودہ میں کسی نزدیک زمانہ میں گورنمنٹ پالیسی میں کسی ایسی تبدیلی کی توقع کرنا لاحاصل ہے۔

گورنمنٹ کی تازہ پالیسی کا اثر

بجائے اسکے کہ ہماری گورنمنٹ ہر قسم کی تعلیم کو عام اور مفت کرتی۔ لارڈ کرزن کی پالیسی کا صریحی اثر یہہ ہوگا کہ اعلیٰ تعلیم کے دروازے مسدود ہو جاوینگے۔ سرکاری رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۹۷-۱۸۹۶ء سے لیکر سنہ ۰۲-۱۹۰۱ء تک پانچسال کے عرصے میں پنجاب کے انگریزی سکنڈری سکولوں میں ۲۰۰۸ طالب علموں اور پنجاب کے آرٹس کالجوں میں صرف ۱۰۰ طالب علموں کی بیشی ہوئی۔ سنہ ۰۲-۱۹۰۱ء میں پنجاب میں ۲۸۰۸ طالب علموں نے انٹرینس کا امتحان دیا۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں ۳۰۴۷ طالب علم امتحان میں بیٹھے۔ لیکن ۱۹۰۴و۱۹۰۵ کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آرٹس کالجوں میں تعداد طلبار ۲۶۳! تھی۔ ان ہندسوں کا ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ لارڈ کرزن کی پالیسی سے پہلے ہی پنجاب میں یونیورسٹی تعلیم کی حد پہنچ

چکی تھی اور لوگوں نے اپنے لڑکے کالجوں میں بھیجنے بند کر دیئے تھے۔ جہاں ہم اس فکر میں تھے کہ اس بندش کا کچھ انتظام کریں وہاں ہماری بیدار مغز گورنمنٹ ایسے قواعد بنانے کی فکر میں تھی جنکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آرٹس کالجوں میں تعداد طلبا بہت کم ہو جاویگی۔ یونیورسٹی کے برگزیدہ یوروپین ممبران کیا تعلیمی افسران وکیا پادری صاحبان پنجاب میں اور دیگر صوبجات میں عام طور پر یہہ کہتے ہیں کہ کم فیس پر اعلیٰ تعلیم دینا مضر ہے۔ یہہ منطق ہماری سمجھ میں آوے یا نہ آوے لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ نئی یونیورسٹی تعلیم کا بدیہی نتیجہ یہ ہوگا کہ کالجوں کی تعداد اگر گھٹے گی نہیں تو بڑھنے نہ پائیگی۔ بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ کم ہو جاویگی۔ کالجوں کو یونیورسٹی سے ملحق کرنے میں جو سختیاں مدنظر ہیں اُن کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ پرائیویٹ کالج حقارت اور سرد مہری کی نظر سے دیکھے جاوینگے۔ پرائیویٹ کالجوں کو سرکاری و مشن کالجوں کے مقابلہ میں آگے بھی بہت سے نقصانات تھے۔ مگر اب تو وہ بہت بڑھ جاوینگے۔

ایک ہی لیاقت کے ہندوستانی پروفیسر غیر امدادی کالجوں میں وہ عزت نہیں پاتے جو سرکاری کالجوں میں پاتے ہیں

ہم نے نہایت حیرانی سے اس بات کو محسوس کیا ہے کہ غیر امدادی کالجوں کے دیسی پروفیسر یونیورسٹی اور محکمہ کی نگاہوں میں اُس عزت کے مستحق نہیں سمجھے جاتے جو گورنمنٹ اور مشن کالجوں میں اُن سے کم لایق ہندوستانی پروفیسروں کی ہوتی ہے۔ ایک غیر امدادی کالج میں اگر ایسے پروفیسر بھی ہوں جنہوں نے یونیورسٹی کے امتحانات میں نہایت تمیز اور عزت حاصل کی ہے تو اُن کو وہ درجہ نہیں جو گورنمنٹ اور مشن کالج میں ملازمت کرنیوالے تھرڈ یا فورتھ کلاس ڈگری یافتوں کی ہوتی ہے۔ علاوہ اسکے پرائیویٹ طالب علموں کے برخلاف نہایت سختی ہونی شروع ہوگئی ہے

اُن کے لئے امتحانات تو بند ہی ہو گئے۔

ہائی سکولوں کے متعلق بھی جو جدید قواعد بنائے گئے ہیں اُن سے تمام غیر امدادی سکولوں میں جبراً بلا وجہ گورنمنٹ کی دست اندازی ہوتی شروع ہو گئی ہے۔ غیر امدادی مدارس کے منتظمان سرکار سے کوئی مدد نہیں چاہتے۔ نہ روپیہ لیتے ہیں۔ نہ وظیفے پاتے ہیں مگر تاہم صرف اس بیش قیمت حق کے عوض میں کہ وہ اپنے لڑکے یونیورسٹی امتحانات میں بھیجتے ہیں وہ سرکاری افسران کی دست اندازی سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہہ دست اندازی بعض اوقات مفید مگر عموماً جابر اور بیہودہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات ہمارے دیسی انسپکٹر اور اسسٹنٹ انسپکٹر بھی ایسی جابرانہ حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں کہ اُن سے پرائیویٹ سکولوں اور تعلیم کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہہ صاحبان ایسی کارروائی بدنیتی سے نہیں کرتے اور محض اس غرض سے کرتے ہیں کہ اپنے افسران کو خوش کریں مگر۔ اُن کی نیت سے ہمیں چنداں سروکار نہیں ہے ہم تو نتیجہ کو روتے ہیں۔

موجودہ سکولوں و کالجوں کی تعلیم کے نقص } طرفہ برآں یہہ ہے کہ موجودہ سکولوں اور کالجوں کی تعلیم (کیا سرکاری اور کیا غیر سرکاری) نہایت ناقص اور مختلف قسم کے خطرات سے پُر ہے اُن میں سے چند ہم بطور نمونہ کے یہاں درج کرتے ہیں۔

(اول) اس تعلیم میں متعلم کے قوائے بدنی و ذہنی کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا۔ کمزور جسم و کمزور دماغ و طاقتور لڑکوں کو ایک ہی سوٹے سے ہانکا جاتا ہے۔

(دوئم) ورزش کے انتظام میں بھی مختلف لڑکوں کی مختلف طاقتوں کی کچھ پرواہ نہیں۔

(سوئم) تعلیم سخت درجہ کی unpractical [1] ہے۔ عموماً ایسے مضامین پر زور دیا جاتا ہے جن سے زندگی بھر لڑکے کو کچھ کام نہیں پڑتا۔

(چہارم) طریقۂ تعلیم سخت ناقص ہے۔ لڑکے کے ہاتھوں و آنکھوں کی تربیت تو درکنار لڑکے کی سمجھ اور سوچنے کی طاقت بھی مناسب طور پر نشو ونما نہیں پا سکتی۔ سارا زور حافظہ پر دیا جاتا ہے۔

(پنجم) سکولوں میں اُستادوں اور طالب علموں کے تعلقات ایسے ہیں جیسے کہ جیلخانوں میں قیدیوں اور برقندازوں کے ہوتے ہیں۔ کالجوں میں حالت اس سے بھی بدتر ہے

(ششم) لڑکوں کو اپنے پر بھروسہ کرنا۔ اپنی مدد آپ کرنا۔ عزت کی پاسداری۔ حرمت کا خیال۔ تکلیف اور مصیبت میں مقابلہ کرنا۔ اپنے دیش اور اپنی قوم سے پیار کرنا۔ نہیں سکھلایا جاتا۔ کیرکٹر کے متعلق ساری تعلیم کا لب لباب اسی میں آجاتا ہے کہ وہ انگریز افسران کو سلام کرنا اور اُن کی اطاعت کرنا و فرمانبردار رہنا سیکھیں۔

(ہفتم) لڑکوں کو ایک دوسرے کے برخلاف چغلخوری کرنے و مخبری کرنے کی عادتیں سکھائی جاتی ہیں۔ مسلمان نوجوانوں کو ہندوؤں کے برخلاف۔ ہندو نوجوانوں کو مسلمانوں کے برخلاف و سکھوں کو دونوں کے برخلاف مشتعل کرا کر نفاق بڑھایا جاتا ہے۔ لڑکوں میں کمینہ پن و کم ظرفی

[1] یعنی غیر مفید یا جو عملی نہیں ہے۔

و تنگدلی و کم حوصلہ پن کی عادات بڑھائی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ کالجوں میں بھی یوروپین پرنسپل اور پروفیسر اُن لڑکوں پر خاص مہربانی کی نظر رکھتے ہیں جو اپنے ہم جماعتوں و دوستوں کے برخلاف مخبریاں کرتے ہیں۔ لڑکوں میں esprit de corps سپرٹ کے ڈالنے اور مشترکہ ذمہ واری کو سمجھنے کے قابل بنانے کی پوری کوشش نہیں ہوتی۔

(ہشتم) نوجوانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جو امریکہ میں چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ بعض اوقات سخت زبانی۔ گالی گلوچ۔ ہتک آمیز و توہین کے بھرے ہوئے جملات سے پرنسپل و پروفیسر پیش آتے ہیں۔

(نہم) بورڈنگ ہوسٹلوں میں چلانے کے قواعد پر عملدرآمد کرنے سے لڑکوں میں قواعد کی خفیہ خلاف ورزی کرنے کی عادات بڑھائی جاتی ہیں

(دہم) سامان تعلیم نہایت ناقص اور ردّی ہیں۔ عموماً سکولوں میں کتب خانہ ندارد۔ فرنیچر پرانے فیشن کا۔ آلات سائنس بیہودہ اور دقیانوسی زمانہ کے ہوتے ہیں۔

(یازدہم) اُستادوں کی تنخواہیں نہایت قلیل ہیں۔ جس سے اوّل درجہ کے تعلیم یافتہ اس پیشہ میں نہیں آتے۔ ماتحت اُستادوں کے ساتھ جو افسران بالا دست کا سلوک ہے وہ نہایت بُرا ہے۔ اُس سے مخبری و چغلخوری۔ خوشامد و چاپلوسی خود پسندی۔ خود بینی۔ خود غرضی و لالچ کی عادات بڑھتی ہیں۔ جو

بدسلوکی افسران اُستادوں سے کرتے ہیں اُستاد اُسی بدسلوکی کو مدرسے و کالج میں روا سمجھتے ہیں اور اپنا بدلہ غریب لڑکوں پر نکال لیتے ہیں۔

(دوازدہم) نیوال ٹریننگ کا کوئی بندوبست نہیں۔ تعلیم ایسی نکمی ہے کہ لڑکے سوائے سرکاری ملازمت کے خوشی خوشی دوسرے کاموں کی طرف راغب نہیں ہوتے۔

وغیرہ وغیرہ

علاج } اس مرحلہ پر سوال یہہ پیدا ہوتا ہے کہ یہہ تو سب کچھ ہوا۔ اب اس کا علاج کیا ہے۔ ہم مختصر طور پر اپنی تجویزات کو ذیل میں درج کرتے ہیں۔

تعلیمی لیڈروں کیلئے یوروپین تعلیم کا بندوبست ہونا چاہیے } (اول) کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ذہین۔ ہوشیار۔ نیک چلن۔ دیش بھگتی کی طرف مایل نوجوانوں کو منتخب کرکے اُن کو یوروپ اور امریکہ میں تعلیم کے لئے بھیجا جاوے۔ تاکہ ہماری قومی زندگی کے ہر ایک پہلو میں لیڈرشپ عموماً ایسے آدمیوں کے ہاتھ میں ہو جنہوں نے خود مختار اور آزاد ملکوں کی آزاد آب و ہوا میں اعلےٰ سے اعلےٰ اور عمدہ سے عمدہ تعلیمی درسگاہوں میں رہ کر تعلیم پائی ہو۔ اور اُس آب و ہوا کے اونچے بھاوٗں کو اختیار کرکے اپنے دل و دماغ کو وسیع اور فراخ کیا ہو۔

اس کے برخلاف شاید یہ اعتراض کیا جاوے کہ اب تک جو ہندوستانی انگلستان سے تعلیم پاکر واپس آئے ہیں انہوں نے بہت کارنمایاں کرکے نہیں دکھائے - وہ عموماً مغرور - خود پسند - آرام پسند - فضول خرچ دکھائی دیتے ہیں - میں یہ تسلیم کرنے کے لئے طیار نہیں ہوں کہ انگلستان میں تعلیم پائے ہوئے ہندوستانیوں کی جماعت میں بالعموم اسی قسم کے آدمی ہیں - بمبئی اور بنگال کے اکثر برگزیدہ لیڈروں میں آپ کو ایسے اصحاب ملتے ہیں - جنہوں نے انگلستان کی تعلیم سے اعلےٰ لیاقت کا ثبوت دیا ہے - اس صوبہ میں بھی گو عام طور پر انگلستان سے واپس آئے ہوئے اصحاب کا اثر اچھا نہیں پڑا مگر ان میں ایک معقول تعداد شریف اور لایق آدمیوں کی ہے - تاہم ان خراب نتائج کے ذمہ وار وہ ماتا پتا نہیں جنہوں نے نالایق - کم سمجھ - امیر مزاج لڑکوں کو باہر بھیجا - ہمارے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ اگر وہ باہر نہ جاتے تو اس سے بھی بدتر نہ ہوتے جیسے کہ وہ اب ہیں - ہماری رائے یہ ہے کہ چونکہ غیر ممالک کی تعلیم پر خرچ کثیر ہوتا ہے اس لئے ہم کو ایسے ہی نوجوان بھیجنے چاہئیں جو لایق ہونہار - نیک چلن اور دیش بھگت ہوں اور جو اس ذمہ واری کے خیال سے جاویں کہ اس غریب ملک کا جسقدر روپیہ ان کی تعلیم پر خرچ ہوگا اس کا کافی معاوضہ اس ملک کو واپس ان کی ذات سے ملنا چاہیئے ورنہ ان کی تعلیم پر ناکامیابی اور ناشکرگذاری کا دھبہ لگے گا - متمول اور صاحب وسائل صاحب اولاد تو اب بھی اپنے لڑکوں کو تعلیم کے لئے غیر ممالک کو بھیجتے ہیں اور یہ جماعت بغیر ہماری صلاح و کوشش کے بھی یہ کام کرتی رہے گی - ہمارا منشاء تو ان طالب علموں کی طرف توجہ کرنے سے ہے جو اپنی غربت کی وجہ سے خود غیر ممالک میں تعلیم پانے کا قصد نہیں کرسکتے - ہماری یہ رائے ہے کہ ایسے منتخب برگزیدہ طالب علم قومی خرچ پر جانے چاہئیں اور سب سے پہلے

وہ اس امید پر اور اس غرض سے بھیجے جانے چاہئیں کہ وہ واپسی پر تعلیمی لیڈر بنیں اور ہماری تعلیمی مشکلات کے حل کرنے میں قوم کی مدد کریں - یہ برگزیدہ نوجوان اس اقرار پر یورپ بھیجے جاویں کہ وہ واپسی پر سادہ زندگی بسر کریں گے اور تھوڑی تنخواہوں پر ہماری تعلیمی کشتی کے ملاح بنیں گے - ہمکو فی الحال مضامین ذیل کے لئے یورپین تعلیم یافتہ لیڈروں کی ضرورت ہے *

(الف) پالیٹکس اور ایکانا موکس کی تعلیم کے لئے خاص طور پر مغرب کے تربیت یافتہ لیڈروں کی ضرورت ہے

کیونکہ ان دونوں مضامین پر کمال توجہ اس وقت یورپ میں ہو رہی ہے اور یہ دونوں شاخہائے انسانی علم جیسے اس زمانہ میں بڑھی ہیں ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے پہلے بھی کبھی اس مرتبہ کو پہونچیں تھیں یا نہیں - سیاست مدن کا بہت کچھ تعلق اور اثر ملک کی مالی حالت پر اور اس کی تجارت اور حرفت پر ہے - اور تجارت اور حرفت کی صیحح ترقی کے لئے ملک میں عام طور پر Economics, یعنی سائنیس تمدن کے پھیلانے کی ضرورت ہے - انگریزی طریقہ بینکنگ (ساہوکارہ) انشورنیس (بیمہ) اور کارخانجات کا آرگنیزیشن (انتظام) لیبر یعنی مزدوروں اور کپیٹل یعنی (سرمایہ) کے باہمی مفید تعلقات Trade unions, یعنی تجارتی کمیٹیاں وغیرہ بھی اسی مضمون کے حصے ہیں - ہماری موجودہ حالت میں اس امر کی بہت ضرورت ہے کہ جو نوجوان تجارت یا حرفت کے کام میں مصروف ہونا چاہتے ہیں ان کو ایک معقول واقفیت انڈین ایکانمی سے ہو - انگریزی پروفیسر جو یورپ کے حالات کا علم رکھتے ہیں ہمارے لئے اس بارہ میں خاطر خواہ رہبر نہیں ہو سکتے - ہم کو ہندوستانی ماہر درکار ہیں جو ہندوستانی حالات سے ذاتی واقفیت رکھتے ہوئے ہم کو صیحح راستہ پر لے چلیں اور ملک میں Economics,

کے متعلق صحیح خیالات کا پرچار کرسکیں +

(ب) سائنیس اور ریاضی

ہمارے ملک میں ایک عرصہ دراز تک اعلےٰ درجہ کی سائینٹیفک اور ٹکنیکل تعلیم کا انتظام ہونا ناممکنات سے ہے۔ اعلےٰ درجہ کی سائینٹفک تجربہ گاہوں Laboratories, اور معقول درجہ کے ٹکنیکل کالجوں کے لئے بہت کثیر روپیہ درکار ہے۔ بمبئی کا وکٹوریہ ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ اپنی تعلیم اور سامان کے لحاظ سے یوروپ کے ادنےٰ سے ادنےٰ ٹکنیکل سکول کی حیثیت نہیں رکھتا۔ ایسی صورت میں اعلےٰ درجہ کی سائنٹیفک تعلیم اور اعلےٰ درجہ کی ٹکنیکل تعلیم کے لئے ابھی عرصہ دراز تک ہم کو غیر ممالک کا محتاج رہنا پڑے گا۔ ہماری رائے میں اس شاخ میں کچھ معقول شروعات کرنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ ہمارے کالجوں کی سائنٹیفک تعلیم ایسے نوجوان ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہو جنہوں نے یوروپ کی اعلےٰ سائنٹیفک یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی ہو ہم ہندوستان میں فی الحال ایسا انتظام کرسکیں کہ اُن نوجوانوں کے لئے جو ممالک غیر میں اعلےٰ درجہ کی سائنٹیفک اور ٹکنیکل تعلیم کے لئے جانا چاہیں کم از کم پہلے سال دو سال کا کورس یہاں پڑھا سکیں تاکہ ممالک غیر میں تعلیم پانے کا صرفہ کم ہو جاوے۔ سب سے پہلے اگر علم کیمیا، کی تجربہ گاہوں Laboratories, کو ہاتھ میں لیا جاوے تو بہت کچھ کام اس مد میں ہو سکتا ہے۔ علم ریاضی کی تعلیم ہمارے ملک میں اعلےٰ درجہ کی ہے کیونکہ ہماری قوم کو ریاضی میں خاص شوق ہے۔ پس اگر ہم کیمسٹری اور ریاضی اور علم طبعی ان تین مضامین کی تعلیم کا عمدہ انتظام اپنے کالجوں میں کردیں تو ہم اُن نوجوانوں کی بہت کچھ مدد کرسکتے ہیں جو ممالک غیر میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے لئے جانے کی قابلیت اور وسائل رکھتے ہوں۔ ملک کی تجارتی اور حرفتی ترقی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ ممالک غیر سے نوجوان ٹکنیکل مضامین میں تعلیم پاکر آویں اور ہندوستان میں انڈسٹریل لیڈر

بنیں ایسے ہی یہ ضروری ہے کہ سائینس وریاضی کی تعلیم کو جسقدر ہم مکمل کر سکتے ہیں اس قدر مکمل کریں کیونکہ ان دونوں مضامین پر اعلےٰ سائنٹیفک اور ٹکنیکل تعلیم کی بنیاد ہے اور انہیں مضامین میں مہارت اور کامیابی حاصل کرنے سے ٹکنیکل تعلیم حاصل ہو سکتی ہے۔

(ج) ماڈرن زبانیں انگریزی کی تعلیم کے لئے ہمارے سکولوں اور کالجوں میں کافی سے زیادہ انتظام موجود ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ زبانوں کی تعلیم سے زیادہ تر غرض یہ ہے کہ ہم ان زبانوں کے بولنے والی قوموں سے تعلقات پیدا کر سکیں ان سے بیوہار کر سکیں اور ان زبانوں میں قلمبند تہذیب و شائستگی سے فائدہ اٹھا سکیں۔ پہلے دونوں اغراض کے لئے معقول طور پر صحیح بولنے اور لکھنے کی قابلیت درکار ہے ان اغراض کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم وہ زبانیں لکھنے اور بولنے میں اتنے ماہر اور مشاق ہوں کہ ہماری عمر کا بہت بڑا حصہ ان زبانون کے حصول میں خرچ ہو جاوے۔ البتہ آخری غرض کے حصول کے لئے زیادہ واقفیت اور محنت درکار ہے ہمارے تعلیمی افسر اکثر اوقات ہماری انگریزی زباندانی پر تمسخر کرتے ہیں۔ اکثر انگلو انڈین اخبارات ہماری انگریزی کی غلطیاں پکڑتے رہتے ہیں لیکن ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ سالہائے سال تک ہندوستان میں رہکر ان کی اپنی لیاقت ہندوستانی زبان میں کیسی حقیر اور ادنےٰ درجہ کی ہوتی ہے حتے کہ وہ ہندوستانی میں ایسی غلطیاں کرتے ہیں جو ہمارے مڈل پاس نوجوان انگریزی میں نہیں کرتے۔ ہماری رائے میں ہمارے سکولوں اور کالجوں میں بہت سارا وقت انگریزی پڑہانے میں خرچ کیا جاتا ہے جس کا خاطر خواہ معاوضہ پڑھنے والے کو حاصل نہیں ہوتا اور اگر باوجود اس قدر توجہ و محنت کے ہمارے نوجوانوں کی لیاقت زبان انگریزی میں کافی اور قابل اطمینان نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پڑہانے کا طریقہ نہایت مذموم اور خراب ہے۔ میری رائے میں معمولی طلبار کے لئے جنہوں نے تجارت۔ حرفت وغیرہ سے روزی کمانا ہو انگریزی کی صرف اس قدر

واقفیت درکار ہے کہ وہ انگریزی کی سائنٹیفک کتابوں کو بلا امداد اوستاد پڑھ سکیں۔ معمولی طور پر انگریزی لکھ اور بول سکیں۔ تجارت اور حرفت کے لئے جیسے انگریزی سے واقفیت ضروری ہے ویسی ہی یوروپ اور ایشیا کی دیگر زبانوں سے بھی ضروری ہے۔ مثلاً ایشیا میں جاپانی چینی۔ اور فارسی سے یوروپ میں جرمن۔ فرنچ اور اٹالین سے۔ ان سب زبانوں میں سے جاپانی اور جرمن کی طرف ہماری خاص توجہ ہونی چاہیئے۔ اول الذکر سے اس واسطے کہ جاپان سے ہمارے نوجوان بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور اگر ہندوستان میں جاپانی زبان کی تعلیم کا کافی انتظام ہو تو بہت سے نوجوان تھوڑے وقت میں جاپان میں رہکر وہاں کی تعلیم سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں اور علاوہ اس کے اُن کو اہل جاپان کے ساتھ تجارتی خط وکتابت کرنے میں سہولت ہو۔ جاپان ایک ایشیاٹک ملک ہے۔ اس کے اور ہمارے مذہب میں خاص تعلقات ہیں۔ اور ہم ترقی کے زینہ پر چڑھنے کے لئے جاپان کی زندگی سے بہت کچھ سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے جاپانی زبان کی اشاعت کا خاص انتظام ہندوستان میں ہونا چاہیئے ٭

جرمن زبان کی تعلیم کا انتظام اسواسطے درکار ہے کہ سائنٹیفک گیان اور سائنٹیفک تعلیم میں جرمنی اس وقت تمام دنیا کا سرتاج ہے۔ اسواسطے ضرور ہے کہ اعلےٰ درجہ کی سائنس کی تعلیم کے لئے ہمارے نوجوان براہ راست اسی چشمہ سے اپنی پیاس بجھا سکیں۔ ٹیکنیکل تعلیم کے لئے بھی اس وقت جیسا مکمل اور اعلےٰ انتظام جرمنی میں ہے یوروپ کے کسی دیگر ملک میں نہیں ہے۔ علاوہ ازیں انگلینڈ کے بعد یوروپین ممالک میں سے ہماری باہمی تجارت سب سے زیادہ اہل جرمن سے ہے۔ اور اس واسطے تجارت کی ترقی کے لئے بھی اسی زبان کی اشاعت ضروریات سے ہے۔ جرمنی میں رہایش اور تعلیم کا خرچ انگلستان سے کم ہے۔ پس اگر ہم ہندوستان میں جرمن زبان کی تعلیم کا انتظام کر سکیں تو ہمارے نوجوانوں کو جرمنی جاکر تعلیم پانے میں سہولت ہوگی۔

بہر حال ماڈرن زبانوں کی طرف ہماری خاص توجہ درکار ہے۔

پبلک اوپنین کو ایسا پلٹا دیا جاوے جس سے صاحب اولاد یونیورسٹی امتحانات سے بے پرواہ ہو کر اپنی اولاد کو اعلےٰ التعلیم دینے پر اصرار کریں +

اہل ملک میں اس خیال کا پھیلانا ضروریات سے ہے کہ وہ بلالحاظ یونیورسٹی ڈگریوں اور یونیورسٹی امتحانات کے اعلےٰ تعلیم کی قدر کریں۔ یونیورسٹی کا قانون صرف ان لڑکوں پر حاوی ہے جو یونیورسٹی امتحانات کی پرواہ کرتے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ یونیورسٹی ڈگریوں اور امتحانات کی قدر و منزلت اسی نسبت سے گھٹ جانی چاہئے جس نسبت سے سرکاری ملازمت و وکالت و ڈاکٹری و انجنیری کے موقعہ ہمارے لڑکوں کے لئے کم ہو گئے یا کم ہوتے جاتے ہیں باقی کاروبار کے لئے ہم کو تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ضرورت ہے یونیورسٹی کے امتحانات پاس کردہ اور ڈگری یافتہ لوگوں کی ضرورت نہیں۔ بہت سے نوجوان یونیورسٹی امتحانات کے بیجا شکار ہو رہے ہیں۔ ان کو عمر بھر سرکاری نوکری ملنے یا وکیل یا ڈاکٹر یا انجنیر بننے کا کوئی موقعہ نہیں مگر تاہم بیچاروں کے کئی کئی سال ایک ہی امتحان کے پاس کرنے میں خرچ ہو جاتے ہیں۔ کبھی وہ چند نمبروں کے لئے ریاضی میں فیل ہو جاتے ہیں کبھی انگریزی میں کبھی تاریخ و جغرافیہ میں اور کبھی کسی دیگر مضمون میں۔ گورمنٹ کی موجودہ تعلیمی پالیسی کا جواب قاطع یہ ہے کہ ہائی سکولوں میں اور کالجوں میں طلبا کی تعداد دن بدن بڑھتی رہے خواہ یونیورسٹی کے امتحانات میں امیدواروں کا نمبر کم ہو جاوے۔

پرائیویٹ کالجوں کے سارٹیفکٹ

ایک معقول تعداد صاحب اولاد کو فوراً یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ ان کی اولاد کو یونیورسٹی کے امتحانات میں نہ بھیجا جاوے بلکہ اوستاد انکی تعلیم کے خاتمہ پر ان کو اس امر کا سارٹیفکیٹ دیں کہ انہوں نے اس قدر عرصہ تک فلاں فلاں مضمون میں تعلیم پائی اور کسقدر لیاقت حاصل کی اس سے

کسی قدر تعلیم کا بوجھ بھی کم ہو جاوے گا - جو روپیہ ہم یونیورسٹی امتحانات کے لئے بطور فیس خرچ کرتے ہیں اس کو بہتر طور پر خرچ کر سکیں گے +

علاوہ اس کے جو لڑکے یونیورسٹی امتحانات میں کسی ایک مضمون میں فیل ہو جاتے ہیں انکو پرائیویٹ کالجوں کے طالب علموں کی حالت میں کم از کم اپنے اپنے کالجوں سے ایک سارٹیفکٹ اس مضمون کا مل جانا چاہیئے کہ انہوں نے اس قدر عرصہ تک مندرجہ مضامین میں تعلیم پائی - اور ان میں سے کتنے میں یونیورسٹی امتحان پاس کر لیا +

غیر سرکاری ایجنسیوں کو یونیورسٹی امتحانات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے -

جن غیر سرکاری ایجنسیوں کو تعلیم یافتہ نوجوانوں کی خدمات کی ضرورت ہے ان کیواسطے یہ پرائیویٹ سارٹیفکٹ کافی ہونے چاہئیں ہمارے بنکوں و دیگر کمپنیوں کو یونیورسٹی امتحانات کی قید سے آزاد ہو جانا واجب ہے - اس مرحلہ پر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کیا ہم لوگ ایسی غیر سرکاری ایجنسیوں پر یہ زور نہ دیں کہ وہ چند سال کے بعد اپنی ملازمت میں صرف ان نوجوانوں کو لیں جنہوں نے کالجوں کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہو مگر یونیورسٹی کا کوئی امتحان نہ دیا ہو -

سرکاری سکیم کی پابندی سے آزاد ہو جاوینگے

اس عمل کا ایک یہ بھی فائدہ ہوگا کہ ہم اپنے کالجوں میں سرکاری اسکیم کی قید سے آزاد ہو جاوینگے لڑکوں کو پورا موقعہ ملیگا کہ جن مضامین کی طرف ان کو خاص رغبت ہے اور جن کی ان کو خاص ضرورت ہے اس کی طرف زیادہ توجہ دیں اور جن مضامین کی طرف ان کو میلان نہیں ہے ان پر وقت ضائع نہ کریں یونیورسٹی تعلیم میں مضامین کے انتخاب کرنے میں نوجوانوں کو خاطر خواہ آزادی ہوگی اور نوجوان خاص خاص مضامین میں خاص مہارت پیدا کرنے کے قابل ہونگے - اس سے انکی صحت بدنی پر جو بیجا دباؤ اور بوجھ پڑتا ہے اس سے بھی ان کو رہائی ملے گی - ہم ان خیالات کی طرف ان صاحب اولاد ہندوستانیوں کو خاصکر

متوجہ کرتے ہیں جن کا منشا اپنی اولاد کو کاروبار میں ڈالنے کا ہے اور جو اپنی اولاد کے لئے سرکاری ملازمت نہیں چاہتے یا جو ممالک غیر میں تعلیم دینے کا مقدور بھی رکھتے ہیں اور ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ ایسے اصحاب کو فوراً یہ تصفیہ کر لینا چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو انڈین یونیورسٹی امتحانات کے چکر سے نجات دیں۔ پنجاب میں بعض پرائیویٹ کالج (ہندوؤں کے لئے دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور و ہندو کالج دہلی اور مسلمانوں کے لئے اسلامیہ کالج لاہور) خاص طور پر ان خیالات کو عمل میں لانے کے ذریعے بنائے جا سکتے ہیں +

پرائیویٹ کالجوں کی طرف ان کے مددگاروں کی خاص توجہ درکار ہے

اس مرحلہ پر ہم خاص طور پر اپنے ناظرین کو پرائیویٹ کالجوں کی حالت پر توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ یونیورسٹی قانون نے یہ ضروری کر دیا ہے کہ یونیورسٹی سے Affiliate, ہونے کے لئے ان کی موجودہ حالت کو بہتر کیا جاوے۔ مکانات عمدہ اور فراخ اور کشادہ ہوں۔ آلات و سامان تعلیم از قسم کتب خانجات و آلات سائینس و فرنیچر حسب حیثیت اور زمانہ حال کی معلومات کے مطابق ہوں۔ اوستاد لایق ہوں۔ اخلاقی و جسمانی تعلیم کا کافی بندوبست ہو۔ ورزش کے لئے سامان کافی ہوا در میدان کھلے ہوں۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ ہماری موجودہ تعلیمی حالت کے لحاظ سے یہ پابندیاں قدرتی طور پر پرائیویٹ کالجوں کے خلاف جاویں گی۔ اور کم از کم نئے پرائیویٹ کالج کھولے جانے کے راستہ میں مزاحم ہونگی۔ اس وقت تک تو ہمارا یہ خیال تھا کہ جس طرح سے ہو سکے اول تعلیم کی مقدار کو بڑھاویں۔ اور تعلیم یافتہ اشخاص کی تعداد میں روز افزوں ترقی حاصل کریں۔ اور اس واسطے ہم تھوڑے سامانوں کے ساتھ بھی کالج کھولنے کا ارادہ کر لیتے تھے۔ آہستہ آہستہ پبلک کی ہمدردی سے سب سامان مہیا ہوتا جاتا تھا۔ پنجاب کے سارے پرائیویٹ کالج اسی طرح سے اپنی موجودہ حالت کو پہنچے۔ ہماری موجودہ افلاس زدہ حالت میں یہ طریقہ کسی طرح معیوب اور قابل اعتراض

نہ تھا - مگر ہمارے حکام کو یہ طریقہ پسند نہیں آیا اور اب وہ نئے قواعد کے ذریعہ سے اصرار کرتے ہیں کہ شروع سے ہی سب چیز مکمل ہو - بہرحال یہ تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ موجودہ پرائیویٹ کالجوں کی بہبودی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کی کمی کو پورا کیا جاوے - اور انکے معاونان حالت موجودہ میں خاص کوشش سے ان کی کمیوں کو پورا کرنے کا فکر کریں - جو تجاویز ہم نے مندرجہ بالا سطور میں یونیورسٹی تعلیم کے لئے بتائی ہیں ان کا نفاذ فوراً نہیں ہو سکتا - اگر اب سے لوگ اس کیطرف توجہ کرنی شروع کریں تو امید کیجا سکتی ہے کہ دس سال آئندہ میں کچھ ترقی ہو سکے بہرصورت اسوقت پرائیویٹ کالجوں کی کمیاں پورا کرنا لازمی ہے - پرائیویٹ کالجوں کے معاونان کی عزت و آبرو بھی جب ہی رہ سکتی ہے جب وہ اس ضرورت کے وقت میں غیر معمول کوشش سے ان درسگاہوں کی کمیوں کو پورا کریں +

دیانند کالج کے معاونان سے خاص اپیل

چونکہ دیانند کالج لاہور سے ہمکو گہرا اور ذاتی تعلق ہے اس لئے ہم معاونان کالج مذکور سے خاص طور پر اپیل کرتے ہیں کہ وہ کالج مذکور کے متعلق مندرجہ ذیل امور کی طرف خاص توجہ دیں +

(الف) عمارت کالج کی تعمیر جلد شروع ہو کر معقول عرصہ میں ختم ہو جانی چاہئے +

(ب) کالج مذکور میں طلباء کی تعداد کم نہ ہونے دینی چاہئے اسکے لئے خاص کوشش ہونی چاہئے

(ج) کالج کے چیدہ چیدہ پروفیسروں کو بتدریج باری باری یہ موقعہ دینا چاہئے کہ وہ یورپین یونیورسٹیوں میں شامل ہو کر اپنی معلومات کو بڑھا دیں +

(د) کالج کی سائنٹیفک سائڈ کی طرف خاص توجہ ہونی چاہئے +

(س) کالج کے ذریعہ انگریزی دان سنسکرت کے فاضل پیدا کرنے کی خاص کوشش ہونی چاہئے - اور اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بی - اے تک کے اسٹینڈرڈ تک عام تعلیم پائے ہوئے نوجوانوں کو معقول وظیفے یا مشاہرے دیکر نئے طریقہ پر سنسکرت زبان میں مہارت پیدا کرنے اور تحقیقات کرنے کی طرف مائل کیا جاوے - اور پھر ان میں سے بعض بعض برگزیدہ نوجوانوں کو

علم زباندانی کی تحقیقات کے لئے جرمنی یا دیگر ممالک یوروپ میں بھیجا جاوے - ہماری رائے میں (خواہ اس کا بہت وزن نہ ہو) بہتر ہوگا کہ بچوں کو اشٹادھیائی حفظ یاد کرنے کے بجائے عمر رسیدہ لبرل تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ویدک سنسکرت گرامر میں مہارت پیدا کرنے کی طرف مائل کیا جاوے - گرامر پڑھانے کا پرانا طریقہ اسوقت یوروپین اور امریکن تعلیمی ماہروں کے تجربہ سے معیوب قرار پاچکا ہے - اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس فروعی معاملہ میں ہم ان فاضل تجربہ کار اور برگزیدہ ماہروں کی رائے سے فائدہ نہ اٹھاویں سنسکرت اور ہندی کو فروغ دینا اس کالج کے خاص مقاصد میں سے ہے - عام طور پر انگریزی کورس کے ساتھ سنسکرت پڑھنے والوں کی تعداد میں اس کالج کی مدد سے اس صوبہ میں بہت بیشی ہوئی ہے - خاص طور پر بھی سنسکرت کے پرچار کے لئے کوششیں کی گئی ہیں - مگر انگریزی خواں سنسکرت والوں نے تاحال سنسکرت میں کمالیت پیدا کرنے کی رغبت نہیں دکھائی - اور بہ شمول دیگر ڈگری یافتہ صاحبان کے وہ بھی امتحانات پاس کرنے کے بعد معمولی روزگاروں میں بہ شمول ملازمت - یا وکالت کے مشغول ہوگئے جہاں ان کی سنسکرت معلومات کے بڑھنے کے کچھ موقعے نہیں ہیں - اس لئے شاید اب وقت آگیا ہے کہ ان مشغلات میں کامیابی کے کسی قدر مشکل ہو جانے کے باعث کچھ انگریزی خواں سنسکرت جاننے والے بھی ایسے ملجاویں جو سنسکرت کی فضیلت کی پگڑی کے لئے عمر بھر صرف کرنا اپنی زندگی کا مقصد قرار دیں - ایسے نوجوانوں کو تلاش کرنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا دیانند کالج کے معاونان کا فرض ہے اور ہم اس فرض کی طرف ان کو توجہ دلاتے ہیں +

دیانند کالج کا غیر امدادی ہونا ہمارے واسطے باعث فخر ہے +

دیانند کالج کے متعلق ہم کو آج تک دو باتوں کا فخر رہا ہے اول یہ کہ اس کے انتظام میں کسی غیر ہندوستانی کو کبھی کسی قسم کا دخل نہیں ہوا دوئم یہ کہ اسکے واسطے آجتک کسی قسم کی کوئی مدد سرکار سے حاصل نہیں کی گئی - دیانند کالج

کی یہ دونوں خصوصیتیں خاص طور پر فخر کے قابل ہیں - کیونکہ ہماری رائے میں جو قوم ترقی
کرنا چاہتی ہے اس کے لئے ان دونوں امور میں لیاقت پیدا کرنا ضروری ہے ہمارا یہ
دعوےٰ نہیں ہے کہ دیانند کالج کے منتظمان نے کبھی غلطیاں نہیں کیں اور ان کے انتظام
میں کچھ نقص نہیں ہیں نہ ہمارا یہ دعوےٰ ہے کہ اگر دیانند کالج کے انتظام میں انگریز صاحبان
کی مدد لیجاتی تو اس سے ضرور نقصان ہوتا مگر اسقدر ہمارا ضرور دعوےٰ ہے کہ ہندوستانیوں
میں مادہ انتظام پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بعض انسٹی ٹیوشن ملک میں ایسے ہوں جن کا
کامل انتظام محض ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہو - اور جہاں وہ گر گر بھی سوار ہونا سیکھیں - اگر
ہم انتظام کے معاملہ میں ہمیشہ دوسروں کی مدد یا ان کی صلاح کے محتاج رہے تو ہم میں اپنے
دماغ پر بھروسہ کرنے اور زور دینے کی عادتیں کبھی نشو و نما نہیں پاوینگی - قدرت کا
مشاہدہ روزمرہ ہمکو یہ سبق دیتا ہے کہ جب کبھی کسی حیوان نے اپنی خاص قوار کا استعمال چھوڑ
دیا اس کو ان قوار سے عدم مشق کے سبب محروم ہونا پڑا - نیچر کبھی کسی جاندار کے پاس
کوئی ایسی چیز نہیں رہنے دیتی جس کا وہ استعمال نہیں کرتا اور جسکے استعمال کی اس کو
عادت نہیں رہتی - ہماری نگاہ میں یہ پرائیویٹ سکول اور پرائیویٹ کالج ہندوستانیوں
کے لئے انتظامی درس گاہیں ہیں جہاں ان کو ایک معقول تعداد ماتحتاں کے ساتھ انصاف و
ہمدردی سے سلوک کرنے کی عادت و موقعے دستیاب ہوتے ہیں - جہاں ان کو انتظام و ڈسپلن
کے متعلق جو مشکلات ہوتی ہیں ان سے محض اپنے زور بازو سے عبور کرنے کی عادت پڑتی
ہے جہاں وہ دوسروں پر سہارا کرنے کی بیچارگی سے آزاد ہو جاتے ہیں - جہاں اُن کے
انتظامی طاقتوں کو مشق کا موقعہ ہاتھ آتا ہے - اور جہاں ان کی دماغی و عملی انتظامیہ طاقتوں کو
پہلو بہ پہلو ترقی کرنے کے لئے کھلا میدان ملتا ہے اس لئے ہمکو دیانند کالج کی اس
خصوصیت پر خاص فخر ہے اور جو تھوڑی بہت کامیابی اسکے منتظمان کو اس کے انتظام
میں حاصل ہوئی ہے اسکو ہم نہایت قابل قدر سمجھتے ہیں - دوسری خصوصیت بھی

اُنہیں وجوہات سے نہایت منزلت رکھتی ہے۔ آج تک کئی دفعہ اس کالج کے سامنے
یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ سرکاری امداد کے حصول کے ذریعہ اپنی مالی مشکلات کو آسان کرے لیکن
سوائے ایک دفعہ کے کبھی اس امر کو گوارا نہیں کیا گیا کہ کالج کے Tradition
اور بنیادی اصولوں کے برخلاف عمل کیا جاوے۔ ہمیشہ ہر موقعہ پر ممبران و معاونان
ان اصولوں کی قدردانی کے ثبوت میں اپنی نج کی ضروریات کو کالج کی ضروریات پر
قربان کر کے اُس کی ترقی کے موجب ہوتے رہے۔ صرف ایک دفعہ سال گذشتہ
میں جب کالج کی جدید عمارت کے لئے ایک عمدہ اور باموقعہ۔ فراخ اور وسیع قطع زمین
کی ضرورت ہوئی تو گورنمنٹ سے اس قسم کے قطع کے حصول میں امداد کی درخواست
کی گئی۔ افسوس ہے کہ اس کوشش میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور بعض وجوہات
سے گورنمنٹ نہ تو خود کوئی قطع ہم کو دے سکی اور نہ ہمارے لئے کسی دیگر سے ہمارے
خرچ پر اس قسم کا کوئی قطع حاصل کر سکی۔ تاہم جو کچھ افسران سرکاری نے اس بارہ میں
کوشش کی اس کے لئے ہم اُن کے مشکور ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا ممبران و
معاونان کالج اپنے اس تعلیمی درس گاہ کے قائم رکھنے میں ان اصولوں پر مضبوط رہنے
کے لئے طیار ہیں یا نہیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یا وہ اپنے طریق عمل کی
تبدیلی سے دیگر ہندوستانیوں کو یہ یقین کرانے پر آمادہ ہیں کہ ہندوستانیوں کیلئے
بلا امداد گورنمنٹ کسی کام کو نباہنا ناممکن ہے۔ میری رائے میں ایسا کرنا ہمارے
واسطے سخت اخلاقی شکست ہوگی۔ اور ہماری قوم و ملک کے لئے سخت مضر اور نقصان
دہ ہوگا۔ دیانند کالج چند اخلاقی و قومی خصوصیتوں کے مجموعہ کا مرکز ہے اور اگر اس موقعہ پر
دیانند کالج کے ممبران و معاونان نے یہ اخلاقی شکست کھائی تو ہمارا یہ یقین ہے کہ
اس کا تمام اخلاقی زور نیست و نابود ہو جاوے گا اور ہماری قومی ترقی کے واسطے
یہ تبدیلی زہر ہلاہل کا کام کرے گی۔ ہندوستانیوں کو بلا امداد غیر اپنے قومی کام کرنے

کی تعلیم دینا - دیانند کالج کا معراج تھا - اس پاکیزہ معراج کو سامنے رکھ کر دیانند کالج کے منتظمان نے بسا اوقات تکالیف کا سامنا کیا اور عموماً نہایت بہادری سے ان پر غالب آئے - دیانند کالج جس روز سے شروع ہوا پرماتما کی دیا سے ہمیشہ آگے ہی آگے قدم بڑھاتا رہا اور اس کو اس کے بانیاں و منتظمان کی امیدوں سے بڑھکر کامیابی ہوتی رہی حتےٰ کہ اب سول اسٹیشن میں اس کے سمانے کے لئے جگہ نہیں رہی - جو عمارتیں ہم بناتے رہے و خریدتے رہے وہ سال دو سال میں ہی ناکافی ہوتی رہیں - اس کے چندوں کی رفتار کبھی کم نہیں ہوئی بلکہ پبلک کی قدردانی اور اس کے مددگاروں کا جوش ہمیشہ بڑھتا ہی رہا - بدقسمتی سے کوئی سال ایسا خالی گیا ہوگا کہ دیانند کالج کو اپنے برگزیدہ قابل قدر ہمدردوں میں سے کسی نہ کسی کی جدائی کا صدمہ نہیں اُٹھانا پڑا - تاہم کالج مذکور محض اپنی معاونان و اپنے ہموطناں کی امداد سے ہر روز دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا گیا - پنجاب میں اعلےٰ تعلیم کی اشاعت میں جو کام اس کالج نے کیا وہ بذات خود نہایت قابل قدر ہے اگر اسکے پچھلے بیس سال کی عمر کی تاریخ طیار کی جاوے تو معلوم ہو جاوے گا کہ ہزارہا نوجوان اس قومی درس گاہ سے مستفید ہو کر فائض المرام ہوئے پنجاب میں شاید ہی کوئی ایک ایسا درس گاہ ہوگا - جس نے اس عرصہ میں اس قدر کثیر تعداد کو تعلیم دی ہے جیسی کہ اس انسٹی ٹیوشن نے - اور یہ سب کچھ نتائج بلا کسی قسم کی امداد سرکاری حاصل کئے گئے - ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ کیا اُسکے معاونان و منتظمان کے حوصلے ختم ہو گئے - اور اُن کے وسایل انتہا پر جا پہنچے - نئی یونیورسٹی پالیسی کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ کالج کے انتظام میں یونیورسٹی افسران کو بہ نسبت سابق زیادہ دخل دینے کے موقعے ملیں گے - اور اس واسطے اس وقت تک جو آزادی منتظمان کو نصیب رہی - وہ کسی قدر کم ہو جاوے گی - اس کا مکمل اور قاطع

جواب یہ ہے کہ کالج کی تمام ضرورتوں کو نہایت سرگرمی وجوش سے ہاتھ میں لیا جاوے اور نئی یونیورسٹی قواعد کے مطابق ان کو ایسی جلد پورا کر دیا جاوے کہ حکام یونیورسٹی کو کبھی دست اندازی کرنے کا موقع نہ ملے۔ دوئم یہ کہ ساتھ ہی ساتھ نان یونیورسٹی سلسلۂ تعلیم کی بنیاد ڈال دی جاوے اور اس کو ایسی عقلمندی اور محنت اور سرگرمی سے بڑھایا جاوے کہ جب کبھی حکام یونیورسٹی بیجا طور پر دست اندازی پر مائل ہوں تو فوراً یونیورسٹی سے قطع تعلق کر لیا جاوے یونیورسٹی سے قطع تعلق کرنے میں یہ خوبی مدنظر رکھنی چاہیے کہ تعلیمی اغراض کے لئے کالج کا رسوخ کم نہ ہونے پاوے اور وہ اسی طرح طلبار کو اپنی طرف کھینچتا رہے جیسا کہ اس سے پہلے کھینچتا رہا۔ ایک قومی درس گاہ کی یہ خصوصیت ہونی چاہیے کہ وہ قوم کی ضروریات کے پورا کرنے والا ہو۔ جو جو ضرورتیں قوم کو لاحق ہوتی جاویں ان کے مطابق وہ اپنی اسکیم اور اپنے کام کرنے کا طریقہ بدلتا جاوے تاکہ ایک بڑھنے والی قوم میں جس کا قدم ترقی کے زینہ پر ہے اس کا کام نئی حالتوں کے عین مطابق ہو۔ کوئی قومی درس گاہ قوم سے پیچھے نہیں رہ سکتا ہے۔ قومی درس گاہوں کا یہ نشن ہونا چاہیے کہ وہ قوم کے بڑھنے میں قوم کے مددگار و معاون ہوں۔ اور خود قومی ترقی کے بڑھانے والے ہوں۔ لیکن جو درس گاہیں خود قوم سے پیچھے رہ جاوینگی اُن کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنا رسوخ اور انفلوانس قایم رکھ سکیں وہ مثل پارچات کہنہ کے بوسیدہ و فرسودہ ہو کر گرجاوینگی اور بیکار ہو جاوینگی۔ پس ممبران و منتظمان و معاونان دیانند کالج کے سامنے یہ سوال ہے کہ وہ قوم کی تبدیل شدہ حالت میں اس تبدیل حالت سے پیدا ہوئی ہوئی ضروریات کو ملحوظ کر کے ضروری قربانی کرنے و سرگرمی دکھانے کے لئے مستعد ہیں یا نہیں یا ان کو یہ منظور ہے کہ انکی تمام گذشتہ سرگرمی و ہمت و کارکردگی پر پانی پھر جاوے اور اُن کا اس محنت سے قایم کردہ انسٹی ٹیوشن اپنے معراج سے گر کر اپنے مشن کے پورا کرنے

کے ناقابل رہے ہے - معاونان دیانند کالج! اس وقت کم ہمتی دکھانا سخت،
بزدلی میں داخل ہوگا - آپ کی یہ سست چال اور یہ سلامت روی کی رفتار اور
یہ جوش اور سرگرمی کی کمی مجھے ڈرائے دیتی ہے - میں محسوس کررہا ہوں کہ
دوسروں سے مدد کی توقع و امید آپ کے دلیر دلوں کو کمزور بزدل بنا رہی ہے -
آپ اس تاڑ میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ ادہر ادہر سے کہیں سے کوئی رقم کثیر آپ کے
دامن میں آپڑے گستاخی معاف مجھے یہ اندیشہ دامنگیر ہے کہ ہمارے دانش ور -
عقلمند اور مدبر حکام آپ کو چاٹ پر لگا رہے ہیں - یہ چاٹ آپ کے لئے زہر مہلک ہے،
مجھے ابھی سے یہ دیکھ پڑتا ہے کہ آپ کے تناور جسم میں اس کا اثر شروع ہوگیا ہے -
آپ کے دست و بازو ڈھیلے ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں - اپ کے دل و گردہ کی
حرکت و حرارت میں مجھے کچھ اور ہی رنگ دکھائی دیتا ہے - آپ کو حرکت کرنا دوبھر
ہو رہا ہے اور آپ یہ سمجھتے معلوم ہوتے ہیں کہ اس قدر محنت کرنے کے بعد اب آپ کا
حق ہوگیا ہے کہ آپ اپنے گول کمروں میں نرم نرم گدیلوں پر آرام کریں اور آپ کے
شروع کئے ہوئے اور اس خوبصورتی سے کسی منزل تک لائے ہوئے کام کو غیر
اپنے کندہوں پر اٹھالیں - دوستو! یہ قبل از وقت آرام قدرتی نہیں ہے -
بلکہ ان ٹھنڈے ٹھنڈے میٹھے میٹھے دل لبھانے والے - آرام اور غنودگی کی
طرف مائل کرنے والے شربتوں کا نتیجہ ہے جن کو آپنے گھونٹ گھونٹ کرکے پینا
شروع کردیا ہے - ورنہ کہاں ہم اور کہاں آرام! - سوامی دیانند کے جانشین
کیا اور آرام اور سونا کیا!!! چاروں طرف شور و غوغا کرکے ساری دنیا کو چیلنج دیکر -
قومی و مذہبی خدمت میں غیر معمولی نڈرپن دکھاکر - اپنے قوم کے مدت مدید سے
بند و غلیظ تالاب کو غیر معمولی فنیش سے ہلاکر فی زمانہ سخت تعلق پھیلانے کے
مجرم ہوکر - چارون طرف غول کے غول مخالفوں کے پیدا کرکے اپنے خیال

میں سچائی کی پیروی اور قومی حفاظت کے لئے سارے اہل وطن کو اپنے سے بدگمان کر کے ۔ سچائی کی پیروی و قومی خدمت کے لئے لڑاکے ہونے کا خطاب پاکر ۔ اپنے اغراض کے حصول میں ضدی ۔ تنگ دل ۔ اور متعصب ہونے کے سارٹیفکیٹ حاصل کرنے کے باوجود اپنے کام میں سرگرم رہنے اور جوش دکھانے کے عادی ہو کر باوجود مخالفت کے اپنی مخالفین سے اپنے استقلال اور ہمت کے لئے آفرین حاصل کر کے کیا اب تم ان نئی دقتوں اور مشکلات کے سامنے پیچھا دکھانے پر آمادہ ہو ۔ ایک وقت تھا ۔ کہ اپنے اعلےٰ معراج کے حصول کے لئے تم گرمی کو گرمی اور سردی کو سردی نہ سمجھتے تھے ۔ گھر میں ماتم و بیماری چھوڑ کر دربدر قومی گداگری پر کمربستہ تھے ۔ پہلے اپنے کیسے خالی کر کے ہمیشہ دوسرے متعلقین اور یار دوستوں کے کیسے کی طرف نظر ڈالتے رہتے تھے ۔ تمہاری تعلیمی مشن گویا تمہاری زندگی کا جزو اعظم ہو گیا تھا ۔ تم جہاں جاتے تھے ۔ بیاہ شادی میں ۔ ماتم و سوگ میں ۔ سیر و آرام میں کبھی اپنی تعلیمی مشن کو بھولتے نہ تھے کیا اب ہم یہ فرض کر لیں کہ تمہارے دلوں کی گرمی سردی سے تبدیل ہو گئی اور تم اس مسافر کی طرح جو بباعث عدم عادت سفر کے پہلی منزل پر ہی جا کر ڈیرا لگا دیتا ہے اور واپسی کے لئے بہانے ڈھونڈتا ہے اب تم بھی اس قضیہ سے پلا چھڑانے کی فکر میں ہو ۔ یارو ! دیکھو تمہاری ہمتوں پر دھبہ لگتا ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ تمہاری قومی ترقی کے مخالفوں کو تمہاری اس شکست پر ناز کرنے اور تمکو دنیا کی نگاہ میں ذلیل کرنے کا موقعہ ملتا ہے ۔ تھوڑی بہت جو توقیر تم نے اس تمدن نہ قربانی سے قائم کی تھی وہ اس کاہل وجودی اور آرام طلبی سے خطرہ میں تھے اور وقت ہے کہ تم پھر دوبارہ قومی جوش سے اپنے خون کو گرم کر کے برف کے گلاسوں اور شربتوں کی بوتلوں کو

توڑ ڈالو - برف کی جگہ پانی اور شربتوں کی جگہ ہندوستانی گئوؤں کا دودھ پان کرو - ہمت کی کمریں باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور جو اصحاب تم کو نظر ترحم سے اور مہربانی کی بھرے ہوئے توجہ سے گھائل اور زخمی کرنے کی فکر میں ہیں اُن کو بتا دو کہ سوامی دیانند کے شاگرد - غیروں سے نہ ترحم قبول کرتے ہیں اور نہ مہربانی - دوسروں کی خدمت کرنے کے لئے ہر وقت مستعد ہیں - دوسروں کے ساتھ مہربانی کرنا فخر سمجھتے ہیں مگر دوسروں سے رحم کئے جانے اور مہربانی حاصل کرنے کے روادار نہیں ہیں - اسلئے نہیں کہ وہ دوسروں کو نفرت یا حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ دوسروں کے ترحم و مہربانی کو اپنے لئے کمزوری کا باعث خیال کرتے ہیں اور اسلئے کہ اُن کا مذاہب اُن کو یہ سکھاتا ہے کہ جس انسان نے اپنی مدد آپ کرنیکا وطیرہ چھوڑا اور دوسرونکے سہارے ہوا اور اُن کی خیرات پر گذارہ کرنے لگا وہ انسانیت سے گر گیا اور اس قابل نہ رہا کہ انسانوں کے زمرہ میں شمار کیا جاوے - عزت سے نام لینا تو درکنار -

دیانند کالج کے نام پر فدا ہونے والو ! وقت آگیا ہے کہ حالات تم کو یوروپ کے تعلیم یافتہ پروفیسر رکھنے پر مجبور کریں - اسلئے قبل اسکے کہ تم پر یہ مجبوری عاید ہو - تم اسکے لئے طیار ہو جاؤ - اپنے ہونہار عزیزوں کو ابھی سے یوروپ میں تعلیم پانے کے لئے بھیجدو تاکہ وہ ۲ یا ۳ سال کے بعد واپسی پر ہمارے قومی درسگاہوں کی کرسیو کو زینت دے سکیں اور تمہیں کسی حالت میں کسی مجبوری پر بھی سرنگوں نہ ہونا پڑے - عقلمندی اس میں ہے کہ پیشبندی سے آنے والی ضرورتوں کا بندوبست کیا جاوے - نہ کہ سستی سے وہ موقع آنے دیا جاوے جبکہ دوسروں کے جبر سے ندامت اُٹھانے کا اندیشہ ہو ‫:‬

سکول ایجوکیشن (تعلیم مدارس)

موجودہ تعلیمی حالت پر یہ مختصر سا ریویو ختم کرنے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ چند جملوں
میں اپنے اُن ہموطنوں کے غور کے لئے جو تعلیم کے متبرک کام میں مصروف ہیں سکول ایجوکیشن
کے متعلق بھی چند عملی تجاویز پیش کروں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے میں اپنے ریمارکس کو
دو حصوں میں منقسم کرتا ہوں۔

ارزاں ڈے سکول

اوّل میں اُن ڈے اسکولوں کے متعلق بحث کرونگا جن
کی بڑی غرض یہ ہے کہ وہ اُس جماعت ہندوستانیوں کو
تعلیم سے مستفید ہونیکا موقعہ دیں جو سرکاری سکولوں کی گراں فیس ادا کرنیکے ناقابل ہیں
اور جو مشن سکولوں کی مذہبی تعلیم سے اپنے بچوں کو علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ان
اسکولوں کو موجودہ ارزاں سکیل پر قایم رکھنا ضروری ہے اور پبلک کا فرض ہے کہ
ان کو ہر طرح سے گورنمنٹ کی موجودہ تعلیمی پالیسی کا شکار ہونے سے محفوظ رکھیں۔ یہ سکول
قوم کی ایک بڑی ضرورت کو رفع کرتے ہیں اور سرکاری اور مشن سکولوں کی تعلیم اور انتظام
پر ایک نہایت معقول اور مناسب Check ہیں۔ اُن کی موجودگی کے
باعث سرکاری اور مشن سکولوں کا اسٹنڈرڈ گرنے نہ پاویگا اور نیز اُنکے انتظام میں
بیجا سختی کو دخل نہ ہوسکیگا۔ علاوہ اسکے مختلف مذہبی جماعتوں کو ان اسکولوں کے ذریعہ
اپنے اپنے مذہب کی تلقین کا موقعہ ملتا ہے۔ اور بعض اسکولوں میں اُستادوں کی
قومی ہمدردی اور ذاتی پاکیزگی کے باعث طلباء کے اخلاق پر بہت اچھے اثر پڑنے کے
موقعے ہیں۔ ان سکولوں کے متعلق میں مفصلہ ذیل تجاویز اُن کے منتظمان کے

غور کے لئے پیش کرتا ہوں۔

(۱) **انضباط وقت صبح و شام** } کیا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم سرکاری مدارس کے انضباط اوقات کی پابندی کریں۔ ؟ برخلاف اسکے کیا مناسب نہ ہوگا کہ ہم ان مدارس کے اوقات تعلیم اس طرح مقرر کریں جس سے لڑکے کل تعلیم اپنے مدرسہ کی عمارت میں زیر نگرانی اپنے اُستادوں کے ختم کر سکیں۔ اسوقت دستور یہ ہے کہ مدرسہ میں ۵ یا ۶ گھنٹہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ اُسکے بعد اُستاد اور لڑکوں میں کچھ تعلق نہیں رہتا۔ لڑکوں کو بہت سا کام اپنے اپنے گھروں پر کرنا پڑتا ہے۔ اور بہت سے لڑکے ورزش کیلئے بھی دوبارہ اسکول کے احاطہ میں نہیں آتے۔

عام طور پر غریب لڑکے ایسے گھروں میں رہتے ہیں جن کی آب و ہوا گندہ اور جن میں روشنی اور ہوا کا دخل بہت کم ہے۔ کیا ایسی صورت میں لڑکوں کی صحت کیواسطے یہی مفید نہ ہوگا کہ لڑکے زیادہ حصہ دن کا مدارس میں گذاریں اور لکھنے پڑھنے کا کل کام وہاں ہی ختم کر دیں۔ مثلاً کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ سکولوں میں بجائے ۵ یا ۶ گھنٹہ مسلسل تعلیم ہونے کے دو وقت صبح و شام تعلیم ہوا کرے۔ مثلاً موسم گرما میں لڑکے صبح ۶ بجے سے دس یا گیارہ بجے تک سکول میں رہیں اور بعد ازاں ۳ بجے سے ۷ بجے تک پھر سکول میں رہیں۔ صبح کے پانچ گھنٹوں سے کم از کم ایک گھنٹہ کھیل کود ورزش وغیرہ کے لئے اور شام کے ۴ گھنٹوں میں سے دو گھنٹے اسی غرض کے لئے علیحدہ رکھے جاویں اس اسکیم کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے۔

کہ اُستاد بہتر اور زیادہ تنخواہ کے رکھے جاویں } کیونکہ اس اسکیم سے پورا فایدہ تبھی ہو سکتا ہے جب اُستاد ایسے رکھے جاویں جن کو اپنے کام میں دلی شوق ہو اور جن کو سکول کے کام کے علاوہ اور کسی طرح کچھ کمائی کرنے کا خیال نہ ہو۔

دوم یہ کہ مکانات سکول کے عمدہ اور فراخ ہوں اور ان میں بیٹھنے کا

سامان عمدہ اور حسب ضروریات موسم ہو۔

سوئم یہ کہ جماعتوں میں بہت ہجوم نہ ہو۔

چہارم یہ کہ گرمی کے موسم میں پنکھے کا انتظام ہو۔ اور پانی کا انتظام وافر ہو۔

اس اسکیم پر مندرجہ ذیل اعتراض ہو سکتے ہیں :۔

اول یہ کہ اُستادوں کو اپنے مطالعہ کے لئے کافی وقت نہ ملیگا۔

دوئم یہ کہ بہت سے سکولوں کا خرچ بڑھ جاویگا اور اُن کیواسطے ناممکن ہو جاویگا کہ وہ ارزاں تعلیم دے سکیں۔

(اس اسکیم کے حسب ذیل فایدے ہونگے)

اول اُستاد اور شاگردوں کے تعلق گہرے اور ذاتی ہو سکینگے اور اُستاد متعلم کے چالچلن کی کافی نگرانی کر سکیگا۔

دوئم۔ طالب علم گھروں کی متعفن ہوا کے بُرے اثروں سے بچ جاویگا۔ گھروں میں کافی روشنی نہ ہونیکے سبب جو اُسکی بینائی کو نقصان پہنچتا ہے اُس سے محفوظ ہو سکیگا۔ گلی و کوچوں میں پھرنے سے متعدی امراض کے لاحق ہو جانیکا اندیشہ بہت کم ہو جاویگا۔ مدارس کی کھلی آب و ہوا میں بڑھنے اور مضبوط ہونے اور تندرستی قایم رکھنے کے زیادہ موقعے ملیں گے۔

سوئم۔ کتابیں و دیگر اشیاء تعلیمی پر جو اسوقت خرچ ہوتا ہے وہ بھی کسی قدر کم ہو جاویگا۔ لڑکوں کو مدرسے سے گھر کو اور گھر سے مدرسے کو کتب وغیرہ لیجانے کی ضرورت نہ ہو گی۔

(۲۱) پرائیویٹ سکولوں میں طبی امتحان } کیا پرائیویٹ سکولوں کی منتظمہ کمیٹیاں اپنے طلبا کے وقتاً فوقتاً طبی امتحان کا انتظام نہیں کر سکتی ہیں۔ پنجاب کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں اب لایق و فایق اسسٹنٹ سرجن پرائیویٹ پریکٹس کرتے ہیں کئی جگہ ڈسٹرکٹ ڈپٹی اسسٹنٹ سرجن صاحبان موجود ہیں۔ کیا

پرائیویٹ سکولوں کی منتظمہ کمیٹیاں ان طبی اصحاب کی قومی ہمدردی کو اپیل کر کے یہ انتظام نہیں کر سکتیں کہ سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ کُل طلباء کے قد و قامت و وزن و دیگر قواء جسمانی کا طبی معاینہ ہو جاوے۔ اس طبی امتحان سے بہت سی بیماریاں روکی جا سکتی ہیں اور ایسے صاحب اولاد کو جن کو ڈاکٹری امتحان کے وسایل حاصل نہیں ہیں یہ طبی امتحانات نعمت غیر مترقبہ ہونگے۔ ایسے طبی امتحانات سے منتظمان اسکول وقت پر صاحب اولاد کو اپنی اولاد کی جسمانی کمزوریوں سے آگاہ کر سکتے ہیں تاکہ وہ اُنکا انسداد کر سکیں۔ یہ طبی امتحان کسی قدر طلباء کے چالچلن پر بھی عمدہ اثر پیدا کر سکیگا اور اُستادوں کو طلبا پر ناواجب بوجھ ڈالنے کے راستہ میں رُکاوٹ ہوگا۔ طبی امتحان کا رجسٹر آیندہ کے لیے ایک بیش قیمت ریکارڈ رہیگا جو ہر ایک طالب علم کی آیندہ زندگی میں مختلف بیماریوں و دیگر کمزوریوں کی اصلیت و ابتدا پر کافی روشنی ڈالیگا۔ پرائیویٹ سکول اس طبی امتحان سے اپنی قوم اور اپنے ملک کی بیش بہا خدمت کر سکتے ہیں اور سرکاری سکولوں اور مشن سکولوں کے منتظمان کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ بھی ایسا سلسلہ اپنے مدارس کے متعلق جاری کریں۔ پرائیویٹ سکولوں کو قومی خدمت کرنیکا یہ ایک نادر موقعہ ہے جس کو ان کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہیئے۔

پرائیویٹ سکنڈری سکولوں میں مینوال ٹریننگ

ہم نے مندرجہ بالا صفحات میں یہ دکھلایا ہے کہ عام تعلیم کی اغراض کے لیے مینوال ٹریننگ کیسا ضروری ہے اور امریکہ میں تعلیمی انسٹی ٹیوشن تعلیم کے اس ضروری پہلو پر کسقدر زور دیتے ہیں۔ ہم پرائیویٹ سکولوں کی منتظمہ کمیٹیوں کو اس ضروری پہلو کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور ہماری رائے میں وہ بغیر کسی خرچ کثیر کے اسکو جاری کر سکتے ہیں مثلاً لاہور کے دیانند اینگلو ویدک اسکول کی کمیٹی اپنے سکول کے احاطہ میں تین دوکانات بنادے اور وہ تینوں دوکانات بلا کرایہ ایک ترکھان۔ ایک درزی اور ایک لوہار یا چھاپہ خانہ والے کو دیدے اور ان دوکانوں کے کرایہ کے عوض ان تینوں صاحبان دوکان

سے یہ خدمت لے کہ وہ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹہ ہر روز سکول کے لڑکوں کو اپنے اپنے کام میں مفت تعلیم دیں۔

دیانند اینگلو ویدک ہائی سکول کے مڈل اور ہائی ڈیپارٹمنٹ میں ۵ جماعتیں ہیں جنمیں سے ہر ایک کے دو فریق ہیں گویا دس جماعتیں ہیں۔ اگر ان جماعتوں میں سے ہر ایک کیلئے فی الحال ایک گھنٹہ فی ہفتہ ووکیشنل ٹریننگ کے لئے رکھا جاوے تو ہفتہ میں دس گھنٹہ درکار ہیں۔ اگر ہر ایک دوکاندار کے ساتھ دو گھنٹہ یومیہ کا اقرار کیا جاوے تو ہفتہ میں ۱۲ گھنٹہ کا انتظام ہو سکتا ہے۔ اگر فی جماعت اوسط طلباء ۴۰ فرض کی جاوے تو چار دوکانات میں فی جماعت تقسیم کرنے سے فی دوکان دس طالب علم پڑیگا۔ ان طالب علموں کو اوزار ترکھانی وغیرہ کمیٹی کی طرف سے یا ماتا پتا کی طرف سے ملنے چاہئیں علاوہ اسکے ان تمام پیشہ وروں کو کمیٹی انتظامیہ اور سکول کی طرف سے کام میں بھی اسطرح سہارا مل سکتی ہے کہ سکول کا کام اُن کو معقول مزدوری پر ملے اور کسی دیگر کو نہ ملے۔ غرض اسی طرح کل حالات کے متعلق کچھ کمی وبیشی کرکے اگر پرائیویٹ سکول ووکیشنل ٹریننگ کا انتظام کریں تو ایسا کرنا بہت مشکل معلوم نہیں دیتا۔

سکولوں کیلئے کھیلنے کے میدان

ہر ایک سکول کے متعلق کھیلنے کے لئے وسیع اور فراخ میدان ہونے چاہئیں۔ ہر ایک بچے کی زندگی میں وہ حصہ عمر کا جو ۲۰ برس پر ختم ہوتا ہے نہایت احتیاط کا حصہ ہے۔ اگر اس حصہ عمر میں جسمانی نشو ونما میں کمی رہ جاوے تو وہ کمی کبھی بھی بعد میں پوری نہیں ہو سکتی خواہ وہ بچہ جوان ہو کر کتنا ہی صاحب دولت اور امیر کیوں نہ ہو جاوے۔ بچوں کی صحت کے قایم رکھنے میں اُن وسیع اور فراخ میدانوں سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے جو اسکولوں کے ساتھ ہوں۔ ہر ایک میدان ایک اُستاد کے چارج میں رہنا چاہیئے اور اس اُستاد کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ کھیل کود اور ورزش کے وقت میں میدان میں حاضر رہے

(۵) پرائیویٹ سکولوں میں سلسلہ تعلیم } غیر امدادی پرائیویٹ سکولوں پر سرکاری اسکیم کی پابندی کا فرض نہیں ہے سوائے اسکے کہ وہ کتب اپنی اسکیم درسیہ میں شامل نہیں کر سکتے جن کو محکمہ تعلیم نے حکماً بند کیا ہو۔ پس کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ پرائیویٹ سکول پنجاب میں ایک آزاد اسکیم تعلیم کی اختیار کریں جس میں وہ اُن بیہودگیوں سے بچ سکیں جو سرکاری سکیم میں پالیسی کی خاطر رکھی جاتی ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ایک ہی مضمون دو دفعہ طالب علم کو پڑھایا جاوے۔ پہلے ورنیکلر میں اور پھر انگریزی میں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ابتدائی سکول کی اسکیم میں لڑکے پر دُنیا کے جغرافیہ کا بوجھ ڈالا جاوے درحالیکہ اُسکو اپنے ضلع و صوبہ و ملک کے جغرافیہ سے بھی کافی واقفیت نہیں ہوتی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ان پرائیویٹ سکولوں میں تاریخ و جغرافیہ کی وہ کتابیں ضرور پڑھائی جاویں جن کو سرکاری محکمہ تعین کرتا ہے اور جو عموماً بیہودگیوں سے پُر ہوتی ہیں اور جو بعض اوقات غلط اور توہین آمیز بیانات سے پُر ہیں۔ کیا ہندو و مسلمان اکٹھے ہو کر ایسی تاریخی ریڈریں نہیں بنا سکتے جو بجائے ان دونوں مذہبی جماعتوں میں عناد و دشمنی بڑھانے کے اُن میں محبت و ہمدردی کے بڑھانیوالی ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسے سوالات ہیں جن کو ہم پرائیویٹ سکولوں کے منتظمان کے سامنے غور کیواسطے پیش کرتے ہیں۔

پرائیویٹ سکولوں میں تجارتی تعلیم } پرائیویٹ سکولوں کے منتظمان کو یہ امر بھی سوچنا چاہیئے کہ وہ کہاں تک اپنے مدرسوں میں تجارتی تعلیم کا بندوبست کرسکتے ہیں۔ تاکہ اُنکے متعلمین پریکٹیکل تعلیم پاکر سرکاری ملازمت سے آزاد ہو جاویں۔

بورڈنگ سکول

ازاں ڈے سکولوں کے علاوہ اہل پنجاب کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کیا اُن لوگوں کے بچوں کیواسطے جو اپنی اولاد کی تعلیم کے لئے معقول خرچ برداشت کرسکتے ہیں عمدہ نمونے کے

بورڈنگ سکول قایم کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ چند سال ہوئے ہم نے اس قسم کے ایک بورڈنگ سکول کی اسکیم منتظمیہ کمیٹی دیانند اینگلو ویدک کالج کے سامنے پیش کی تھی۔ کمیٹی مذکور نے اس شرط پر اسکیم مذکور کا نفاذ منظور فرمایا تھا کہ کم از کم چالیس درخواستیں اُن کے پاس آجاویں مگر افسوس ہے کہ اُسوقت کافی تعداد درخواستوں کی نہ آنے کے سبب اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اسکے بعد کئی دفعہ پرائیویٹ چھٹیات میں۔ پرائیویٹ گفتگو میں۔ اخبارات کے ذریعہ کئی اصحاب نے ایک عمدہ بورڈنگ سکول کی ضرورت جتلائی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا پنجاب میں ایسے اصحاب کی تعداد ہے جو اپنی اولاد کی عمدہ تعلیم پر معقول خرچ گوارا کرسکتی ہے ہماری رائے میں دیانند ہائی سکول کے بورڈنگ میں طلباء کی کثرت (اسوقت تعداد قریب ۲۵۰ کے ہے) گورو کُل کانگڑی ہردوار و گورو کُل گوجرانوالہ میں طلبا کی تعداد یہہ بتلاتی ہے کہ لوگوں کو اسطرف خیال ہے۔ پس اگر کوئی عمدہ اسکیم ناظرین لیجاوے تو کامیابی مشکل نہیں ہے۔ ان بورڈنگ سکولوں کے متعلق گھوڑے کی سواری۔ تیرنے و کشتی چلانے کا انتظام بھی ہونا چاہیئے اور اگر ممکن ہو سکے تو جاپانی یا کسی دیگر یورپین زبان کی (علاوہ انگریزی کے) تعلیم کا بندوبست بھی ہونا چاہیئے۔

سکول ایجوکیشن میں اصلاح کے متعلق ہم } دیانند کالج کی مینیجنگ کمیٹی سے درخواست

دیانند اینگلو ویدک کالج کی مینیجنگ کمیٹی سے خاص طور پر اپیل کرتے ہیں کہ وہ خود ان سوالات پر وچار کر کے اور ان کو عملی شکل دیکر دیگر پرائیوٹ سکولوں کے لئے نمونہ قایم کرے۔ یہہ کالج واجب طور پر پنجاب میں تعلیم کے بارہ میں پرائیویٹ کوششوں کا مرکز ہے اور اسکا فرض ہے کہ دیگر پرائیوٹ سکولوں کی رہنمائی کے لئے عمدہ سے عمدہ اور تازی سی تازی تعلیمی اسکیموں کا امتحان کرے :۔

راقم ان چند اوراق کو نہایت محبت اور عزت کی نگاہ سے
اپنے ان نوجوانوں ۔ دوستوں کے نام پر ممنون کرتا ہے
جنہوں نے دنیاوی دولت ۔ جاہ و حشمت اور اس سے
جو آرام و عیش میسر آتا ہے ۔ ان سب کو چھوڑ کر اپنی زندگیاں
قوم کی تعلیم کے بڑہانے اور اس کو بہتر کرنے کیلئے فدا کی
ہیں ۔ یہ لوگ قوم کے سچے دوست ہیں ۔ ہمارے سرمایۂ ناز
ہیں ۔ اور ان کی زندہ مثال سے ہمیں آئندہ کی امیدیں ہیں
ہم ہر وقت دست بدعا ہیں کہ ہمارا مالک ان کی عمروں
میں برکت دے ۔ ان کے حوصلوں کو بڑہائے اور ان کو یہ
ہمت بخشے کہ وہ اپنے ارادہ پر استقلال سے قائم رہیں ؎

ان کا مداح اور خادم

لاجپت رائے